احساس کی ہجرت

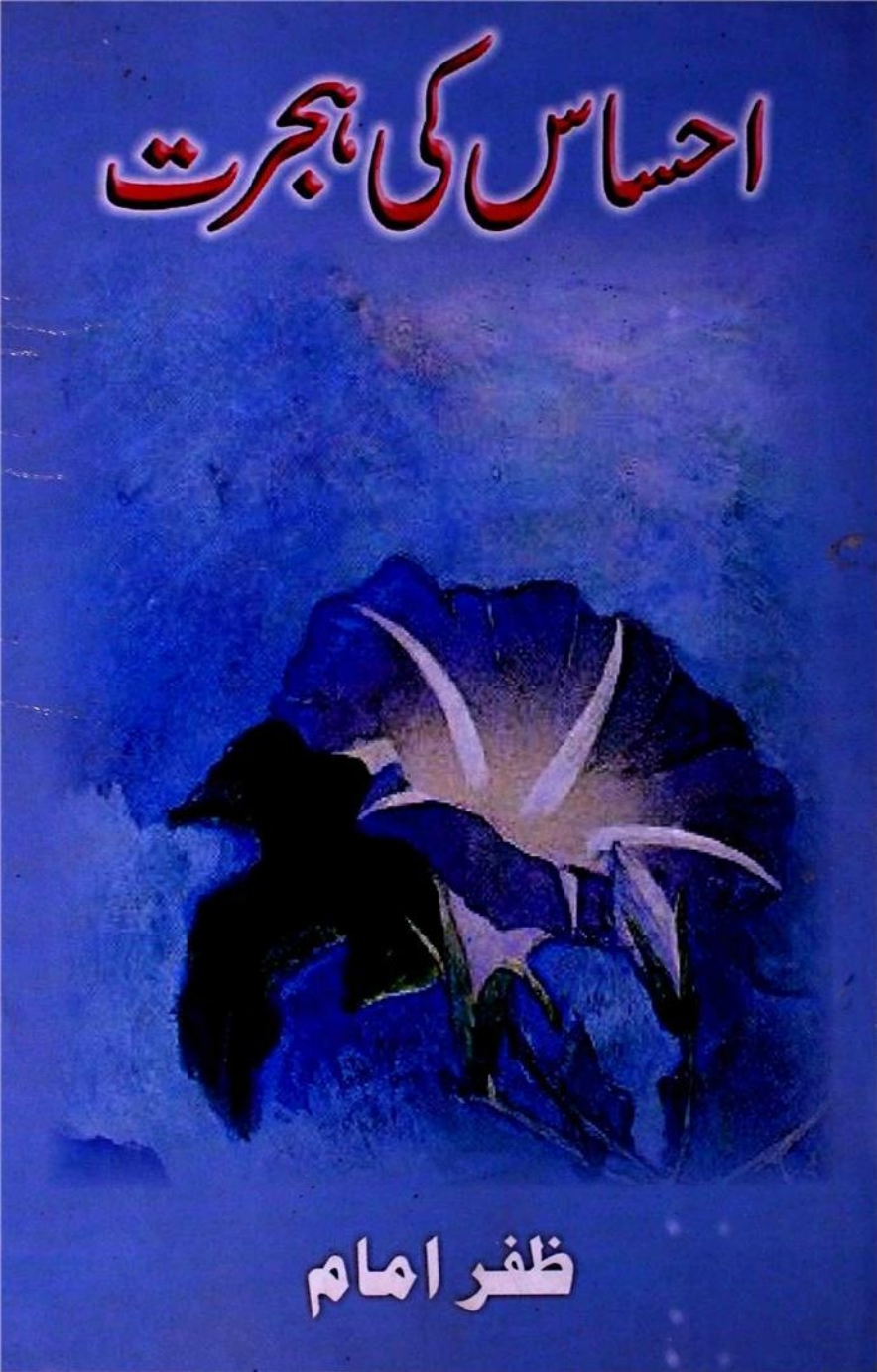

ظفر امام

نام : ظفر امام

تاریخِ پیدائش : تین جنوری ۱۹۶۳ء

جائے پیدائش : بتیا، مغربی چمپارن، بہار

تعلیم : ایم۔اے (جغرافیہ)

ایم۔اے (اردو)

ایل۔ایل۔بی۔

پی ایچ۔ڈی

پیشہ : صدر شعبۂ جغرافیہ، بہار

جی۔ایم۔کالج، بتیا، مغربی چمپارن

مستقل پتا : قادری منزل، محلہ نو تیار،

بتیا (مغربی چمپارن)

بہار۔پن کوڈ۔ 845438

رابطہ : 06254-236911

9835017527

اور وہ بس سربلندی کو چھوتے ہیں، وہاں سے الٹے پاؤں واپس آتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ زور زبردستی سے عظمتیں حاصل کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ اس لیے ایسی عزت الٹے پانو واپس آتی ہے۔ پرانے خیال کو نیا تیور دے کر ایک ایسے قول میں تبدیل کر دیا گیا ہے جو شاید پڑھنے والوں کو وقت بے وقت یاد آتا رہے۔

ساتویں اور آٹھویں شعر میں ایک اضمحلال کا پہلو ہے۔ زندگی کرنا ہمیشہ آسان نہیں۔ کئی مرحلے میں سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔ شکست سے بھی سامنا ہوتا ہے۔ گویا آئے دن کی زندگی ایک مستقل لڑائی کا منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ ایسے میں کوئی اپنے آپ سے بھی پیار کیا کرے۔ اس لیے کہ ٹوٹنے اور بکھرنے کا عمل تو ہر لحہ جاری وساری ہے۔ اس شعر میں بھی تازگی و پُرکاری ہے۔ حسن نعیم نے بہت پہلے ایک شعر کہا تھا :

کچھ اصولوں کا نشہ تھا، کچھ مقدس خواب تھے
ہر زمانے میں شہادت کے یہی اسباب تھے

اب ظفر امام کہتے ہیں :

میں اپنے آپ میں اک مسئلے سے کم تو نہیں
مری رگوں میں لہو ہے مرے اصولوں کا

دراصل ذہین شعرا اصولوں سے واقعتاً ٹکراتے بھی رہے ہیں اور پاش پاش بھی ہوتے رہے ہیں۔ لیکن یہی ان کی عظمت کا نشان بھی ہے۔ یہاں جدّت یہ پیدا کی گئی ہے کہ اِسے اپنا مسئلہ سمجھا گیا ہے۔ کوئی کرے بھی تو کیا کرے۔ یہ شعر بھی حسن نعیم کے شعر سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ایک شعر ایسا بھی ہے جس میں زندگی کی نیرنگی اثباتیت سے بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے، زندگی موت سے آشنا تو ہوتی ہی ہے، کیسے اور کب، اس کا کوئی جواب کسی کے پاس کبھی نہیں رہا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ انسان اس المیے سے بہ خوشی گزرتا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ آخری سانس تک پہنچ جاتا ہے۔ ایک بہت مشکل موضوع کو شاعر نے سامنے کے لفاظ سے

○

جیون کی آنکھوں میں منظر دھوپوں کا
یعنی ایک تماشہ اندر دھوپوں کا

چال مری آہستہ، آخر کیوں نہ ہو
سر پہ ہے اک بھاری گٹھر دھوپوں کا

میں سورج سے منّت کرنے جاؤں گا
کچھ تو دل پگھلے اِن پتّھر دھوپوں کا

تھوڑی سی خشکی تھی، جس پہ چلتا تھا
اور آگے پیچھے تھا ساگر دھوپوں کا

آوارہ بادل کا ٹکڑا ہوں، میں نے
دیکھا ہے شرمانا اکثر دھوپوں کا

صبح ہوئی، سورج نکلا، اور میں نکلا
شروع ہوا اِترانا، سر پر دھوپوں کا

سردی کی راتیں جب شور مچاتی ہیں
دن لے کے آتا ہے خنجر دھوپوں کا

❑

○

کسی سے دوستی رکھی تو دشمنی بھی رہی
کہیں ثواب کمایا، کہیں عذاب سہی

میں روشنی کے سمندر میں ناو لے کے چلا
بھلے ہی ہاتھ میں پتوار ہے اندھیرے کی

تعلّقات کے خیمے اکھڑ گئے لیکن
دلوں کے چاروں طرف ہے ابھی بھی ہریالی

کسی طرف سے عنایت ضرور آجاتی
ہتھیلی اپنی ذرا سی دراز کرنی تھی

تصوّرات کے ساتوں فلک سے تھی آگے
چمکنے والے سبھی راستوں کی مسترِدی

میں خود ہی اپنی نگاہوں سے گر گیا ہوں ظفرؔ
مری حیات مجھے بد دعائیں کیا دے گی

□

○

دل کے پاؤں میں زنجیر سنہری سی
اور چاہت کی نیّا ساگر لہری سی

نا انصافی، ہر دروازے کی شوبھا
دنیا، یہ دنیا، اندھیر کچہری سی

جانے کس سرحد پر آ کے ٹھہریں گی
اُمرت انکھیاں بھی ٹپکی ہیں زہری سی

مشکل رستے پر چلنے کا شوق ہے، اور
آنکھوں میں دُکھ کی ندیاں ہیں گہری سی

تارے گنتے گنتے رات گزرتی ہے
نیندیں پلکیں چھوُ لیتی ہیں سَحری سی
□

کوئی مظلوم اپنی زندگی چاہے تو جی لے گا
مگر ظالم کو اس کا ظلم ہی جینے نہیں دے گا

اُجالے کا جہاں جی چاہتا ہے تن کے رہتا ہے
اندھیرا تو ہمیشہ رات کے سائے میں سوئے گا

حقیقت سے کوئی آنکھیں چرائے، یہ تو ممکن ہے
مگر دل تو حقیقت کی طرف داری میں بولے گا

ہزاروں بوند آنکھوں سے نکل کر بہہ گئیں پھر بھی
نہ جانے دل کا بادل اور کتنی دیر بَرسے گا

اندھیرے میں تو سب چہرا چھپا لیتے ہیں دنیا سے
اجالا ہو تو چہرا ہی ترے چہرے سے پوچھے گا

تجھے سر چاہیے تو اس میں زحمت کی ضرورت کیا
اجازت دو، ظفرؔ خود ہی ترے نیزے پہ آئے گا
❑

چمکیلی تیز نکیلی دھڑکن کا وارث
کتنا مشکل ہوتا ہے، جیون کا وارث

خوشبو اس کی آوازوں میں کچھ تو ہوگی
جو ہے اپنے تہذیبی دامن کا وارث

غزلیں روشن ہونے کا وعدہ کرلیتیں
ہوتے اشعار جو دل کے ایندھن کا وارث

تھوڑی سی خودداری ہوتی اِن آنکھوں میں
تو چہرا بھی ہو جاتا درپن کا وارث

ٹھوکر دروازے دروازے ملتی جائے
ہوتا جاؤں میں آنگن آنگن کا وارث

ہم بھی جیتے ہیں مجبوری کی تہذیبیں
دنیا بھی اپنے دل کے بندھن کا وارث

کتنا کوئی بن واس بھی جھیلے گا بھائی
ہر دن پیدا ہوتا ہے راون کا وارث

میں سوچتا ہوں اگر دوسرا جنم ہوگا
تو اِس جنم کے گناہوں کو اور غم ہوگا

قوا نہیں ہیں مگر جنگ میں چلوں گا ضرور
کہ دشمنوں کا بِرے، حوصلہ تو کم ہوگا

ہمارے ہونٹ کی سرحد پہ ہیں کڑے پہرے
اب اِس سے بڑھ کے بھلا اور کیا ستم ہوگا

قدم سفر پہ چلا ہے تو لوٹنا مشکل
بڑھائے جاؤں گا جب تک کہ دَم میں دَم ہوگا

ہماری موت بھی گھبرا کے بڑھ رہی ہے اِدھر
وہ جانتی ہے کہ سر اُس کا بھی قلم ہوگا

ٹوٹی ہوئی کشتی کو سمندر کا سہارا
پورس کو بھی ملتا ہے سکندر کا سہارا

ہم لوگ ابھی کل ہی سفر کے لیے نکلے
اور ڈھونڈنے لگ جائیں مقدّر کا سہارا

کیوں ہم کو بکھر جانے کی تکلیف ہو بھائی
شیشے کو تو ملتا نہیں پتّھر کا سہارا

کٹ جائے گا سر ایک اشارے پہ خودی کے
یہ لے نہیں سکتا کسی خنجر کا سہارا

ظاہر پہ ہمیں کوئی بھروسہ نہیں، کیوں کہ
منظر کو ہمیشہ پسِ منظر کا سہارا

ممکن ہی نہیں فتح کی اونچائی سمجھ لیں
ہم کو تو ہے دنیا تری ٹھوکر کا سہارا

○

آنکھیں دیکھیں، یا نہ دیکھیں، دل دیکھے گا
مقتل کا سارا منظر قاتل دیکھے گا

منجدھاروں سے کھیلنے والا ہی اک دن تو
جیتے، مرتے، جیسے بھی ساحل دیکھے گا

رستے پہ لاکھوں پیروں کی آوازیں ہیں
لیکن ایک مسافر ہی منزل دیکھے گا

لغزش میں کیوں ڈال گئیں گھر کی بنیادیں؟
گھر میں رہنے والا تو مشکل دیکھے گا

برت ڈالا ہے۔ میں جیسے نئے اسلوب پر زور دیتا رہا ہوں، اس کی ایک واضح مثال اس شعر میں ملتی ہے اور میرے ذہن و دماغ کو جھنجھوڑنے کا باعث بھی ہے۔

جیون کا سنگیت اچانک اتم سُر کو چھو لیتا ہے
ہنستا ہی رہتا ہے میرے اندر مرنے والا

جانے والے کی آنکھوں سے اک اک بوند
مٹی چھو نے کو بے زار ہوئی جاتی ہے

کیا یہ کسی کی رخصتی کا المیہ ہے؟ کیا یہ آخرِ شب کا منظر نامہ ہے؟ کیا یہ موت کی تعبیر ہے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرتے وقت آنکھ کی نمی دراصل اس خواہش کا نتیجہ ہے کہ اسے جلد از جلد مٹی کے حوالے کیا جائے۔ ممکن ہے، کوئی اور بھی معنیٰ ہوں۔ سامنے کے الفاظ میں معنوی جہات کہیں قید نہیں ہوتے اور محسوس ہوتا ہے کہ شاعر زندگی کے کسی نہ کسی المیے سے اس طرح نپٹ رہا ہے کہ اس میں سرعت اور تیزی لانا چاہتا ہے۔ عجیب شعر ہے اور اس کا شمار نئے شعروں میں بے کم و کاست کیا جا سکتا ہے۔

میں نے مندرج بالا تجزیہ سرسری طور پر کیا ہے لیکن ایسے موتی ان غزلوں میں بھرے پڑے ہیں۔ غوّاصی کی ضرورت نہیں ہے، Surface یا سطح پر ہی انھیں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ظفر امام کی شاعری کی طرف اس طرح توجہ کی جائے کہ ان کے مزاج و منہاج کے تئیں کلّی آگاہی ہو۔ مجھے احساس ہے کہ ان کے یہاں نئے احساسات اسلوب کی نیرنگی اور توانائی کے ساتھ سامنے آئے ہیں۔ یہ ایسا امتیاز ہے جو اُن کے نام ور معاصرین کی صف میں انھیں جگہ دیتا ہے۔

پٹنہ

۷ ستمبر ۲۰۰۶ء

وہاب اشرفی

طوفانوں سے پتوں نے سرگوشی کی ہے
تو بھی لوٹے گا، اُجڑی محفل دیکھے گا

بہتے آنسو کی دو ندیاں ہم دیکھیں گے
کون، ہمارے اندر کا بسمل دیکھے گا

روشن ہو ایمان ظفرؔ، تو شہہ پارہ بھی
پاکیزہ جذبوں کا کچھ حاصل دیکھے گا

❑

رکھو اپنے جذبوں کے طوفان اپنے لیے
ہر اک فائدہ اور نقصان اپنے لیے

کوئی دن ضرور اِس کی قیمت سمجھ آئے گی
بچا کر رکھو اپنا ایمان اپنے لیے

ہمی اپنے جذبے کے مقتل میں پائے گئے
نہیں بچ نکلنے کا امکان اپنے لیے

ارادہ اگر بازوؤں نے بھی کر ہی لیا
دعائیں بھی ہوں گی نگہبان اپنے لیے

بہت چاہ کر بھی سمجھ میں نہ آیا
سمجھتا تھا خود کو وہ آسان اپنے لیے

ظفرؔ ساری دنیا انہیں دے کے محفوظ رکھ
ظفر یاب ہونے کا وردان اپنے لیے
❑

جسم بچتا ہے تو تلوار پہ سر جاتا ہے
اس طرح اپنی دعاؤں سے اثر جاتا ہے

اپنے لفظوں کی قلابازی میں سچا احساس
سیکڑوں زینے اترتا ہے، بکھر جاتا ہے

رات ہونے کی دعا ہونے سے پہلے سورج
سُرنگوں ہو کے سمندر میں اُتر جاتا ہے

ہوتے رہتے ہیں پریشان کہ ایسا کیوں ہے؟
ذہن جاتا ہے تو پرواز میں پَر جاتا ہے

دل، خراشوں کو چھپانے میں بھی زخمی ہوگا
رنگ چہرے کا بھی چہرے سے اُتر جاتا ہے

جانے کس موڑ پہ ہم لوگ کھڑے ہیں کہ ظفر
آنکھ موندے ہوئے احساس گزر جاتا ہے
❑

تعارف

نام	:	ظفر امام
تاریخ پیدائش	:	تین جنوری ۱۹۶۳ء
جائے پیدائش	:	بتیا، مغربی چمپارن، بہار
تعلیم	:	ایم۔اے (جغرافیہ)
		ایم۔اے (اردو)
		ایل۔ایل۔بی۔
		پی ایچ۔ڈی
پیشہ	:	صدر شعبۂ جغرافیہ، بہار
		جی۔ایم۔کالج، بتیا، مغربی چمپارن
مستقل پتا	:	قادری منزل، محلہ نونیار، بتیا (مغربی چمپارن)
		بہار۔پنکوڈ۔ 845438
رابطہ۔	:	06254-236911، 9835017527

جناب ظفر امام کی تقریباً ستر غزلیں میرے پیشِ نظر ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ موصوف کی غزلوں کی پہلی قرأت ہی گرفت میں لے لیتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غزل میں معلقہ شاعر نے اپنی سوچ وفکر سے زندگی کے کتنے ہی گوشوں کو اُجالنے کی سعی کی ہے۔ عجیب بات ہے کہ ۱۹۸۰ء کے بعد ابھرنے والے غزل گو شعرا تتبع اور نقل کی فضا سے دوڑ نکل جانا چاہتے ہیں۔ روایت پر نگاہ اور پھر اس روایت سے نئی فکر اور نئے اسلوب کی طرف قدم بڑھانا شاعر کا موقف ہے۔ ایسی صورت میں ظفر امام کی غزلیں بھی فکری اور معنوی اعتبار سے اجتہاد کا پتا دیتی ہیں۔

پروفیسر وہاب اشرفی

Ehsas ki Hijrat
by
Zafar Imam

ان دنوں شاعری کی کتابیں جس کثرت سے چھپتی ہیں، ان کتابوں میں یکسانیت کا رنگ بھی اتنا ہی نمایاں ہے۔ ہر عہد کے کچھ مشترک تجربے ہوتے ہیں۔ لہٰذا مختلف شاعروں کے یہاں موضوعات کا اشتراک تو غیر متوقع نہیں ہے لیکن زبان و بیان اور طرزِ احساس پر اگر انفرادیت کی مہر نہ ہو تو انفرادی تخلیقی سرگرمی کے کچھ معنیٰ نہیں رہ جاتے۔

ظفر امام صاحب نے اپنی ایک الگ راہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش کا اہم ترین پہلو اردو غزل کو ہندی لغات اور اسالیب سے روشناس کرانے اور دو مختلف دھاراؤں کو ملا کر ایک تیسرا رنگ پیدا کرنے کی جستجو ہے۔ یہ صورتِ حال ان کی کئی غزلوں میں دکھائی دیتی ہے۔ غزل، گیت، دوہے کے آہنگ نے مل جُل کر ان کی غزلوں میں ایک مختلف تخلیقی ماحول پیدا کیا ہے۔

ظفر امام صاحب کی ہنرمندی اور تخلیقی جسارت کے نتائج بعض اشعار میں خاصے دل چسپ اور توجہ کے لائق ثابت ہوئے ہیں۔ اردو کی نئی غزل کا مطالعہ کرنے والوں کو ان کے اس رویّے کی داد دینی چاہیے۔

پروفیسر شمیم حنفی

مختلف تخلیقی فضا

□ پروفیسر شمیم حنفی

ان دنوں شاعری کی کتابیں جس کثرت سے چھپتی ہیں، ان کتابوں میں یکسانیت کا رنگ بھی اتنا ہی نمایاں ہے۔ ہر عہد کے کچھ مشترک تجربے ہوتے ہیں۔ لہٰذا مختلف شاعروں کے یہاں موضوعات کا اشتراک تو غیر متوقع نہیں ہے لیکن زبان و بیان اور طرزِ احساس پر اگر انفرادیت کی مہر نہ ہو تو انفرادی تخلیقی سرگرمی کے کچھ معنیٰ نہیں رہ جاتے۔

ظفر امام صاحب نے اپنی ایک الگ راہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش کا اہم ترین پہلو اردو غزل کو ہندی لغات اور اسالیب سے روشناس کرانے اور دو مختلف دھاراؤں کو ملا کر ایک تیسرا رنگ پیدا کرنے کی جستجو ہے۔ یہ صورتِ حال ان کی کئی غزلوں میں دکھائی دیتی ہے۔ غزل، گیت، دوہے کے آہنگ نے مل جل کر ان کی غزلوں میں ایک مختلف تخلیقی ماحول پیدا کیا ہے۔

ظفرؔ امام صاحب کی ہنرمندی اور تخلیقی جسارت کے نتائج بعض اشعار میں خاصے دل چسپ اور توجہ کے لائق ثابت ہوئے ہیں۔ اردو کی نئی غزل کا مطالعہ کرنے والوں کو ان کے اس رویّے کی داد دینی چاہیے۔

دلّی : ۲۴ر اگست ۲۰۰۶ء

شمیم حنفی

گفتگو

ظفر امام

میری شاعری میرے آباواجداد کے حوالے سے حاصل خدا کا وہ تحفہ ہے جو میری رگ و پے میں خون کی طرح دوڑ رہی ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں دادا احمد کریم کی انگریزی ادب سے گہری وابستگی اور دادی بی بی زہرہ فاطمہؒ (جو صاحبِ کرامت بزرگ بھی تھیں) کی صوفیانہ طرزِ زندگی کا اس میں خاص دخل ہے۔ والد اشرف قادری کی سیاست، وکالت، شاعری، تحقیق، تنقید، افسانہ، ناول اور تذکرہ نگاری جیسے مختلف شعبوں میں نمایاں کارنامے انجام دینے والی ہمہ جہت شخصیت میرے لیے مشعلِ راہ رہی ہے جن کی تصنیف کردہ دس بارہ کتابوں میں سے چار کی اشاعت ان کی حیات میں ہو چکی تھی۔

میری نسل میں بڑے بھائی افضل امام قادری نے ساتویں دہائی میں سیکڑوں افسانے لکھے۔ برادرِ عزیز صفدر امام قادری کی نمائندہ نئی شاعری، صحافت اور ہم عصر تنقید۔ (تنقید پر کتاب 'صلاح الدین پرویز کا آئڈنٹٹی کارڈ'، ۱۹۹۴ء میں شائع) ان کی شریکِ حیات سازینہ کی نئی شاعری اور ترجمہ کے فن سے آگاہی (چینی سے ہندی میں ترجمہ کتاب 'لوشن کی کویتائیں') کچھ ایسے اشارے ہیں جن سے ادب سے میری وابستگی سمجھی جا سکتی ہے۔

یہ شعری مجموعہ میری شاعری کا پہلا پڑاو ہے، جہاں میں قارئین سے سیدھی گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ میرا ادب آٹھویں دہائی کے پہلے دوسرے سال میں کہانیوں اور تنقیدی مضامین سے شروع ہوتا ہے جہاں ''دستک'' نام کی ایک ادبی تنظیم کا میں

خازن ہوا کرتا تھا۔ یہ سلسلہ تین چار برس تک بڑی سرگرمی سے قائم رہا۔ نثری تخلیقات کی پہلی اشاعت ۱۹۸۲ء کے 'پالیکا سماچار' دہلی میں ہوئی (کہانی۔ بابو، او بابو۔۔۔) اس عرصے میں میرے کم از کم آدھا درجن افسانے اور مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے اور مقامی، صوبائی و ملکی سطح کے کئی انعامات جو مضامین اور کہانیوں کے لیے تھے، حاصل ہوئے لیکن شاید میری طبیعت کو یہ زیادہ راس نہیں آیا اور ۱۹۸۶ء میں شاعری سے بڑھتی ہوئی دلچسپی نے میری ادبی زندگی میں ایک بڑا اور واضح موڑ قائم کر دیا۔

میں بہار کے ضلع چمپارن کے مرکزی شہر بتیا میں پیدا ہوا، جس کی اجتہادی قوت نے مہاتما گاندی کو ایک بڑے انقلاب کی بنیاد فراہم کی اور ہندستان کو آزادی ملی۔ شعر و ادب کے حوالے سے یہ شہر میر تقی میرؔ کے ہم عصر شاعر (سعد اللہ شاہ ۱۷۱۵ء۔۱۸۰۰ء) کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے اور آج کم و بیش تین صدیوں سے اپنے باوقار ادبی وجود کا احساس دلا رہا ہے۔ یہ شہر صوبائی اور ملکی مرکزوں سے دور، میڈیا کی دلچسپیوں سے پیچھے رہ کر، ادب و زندگی کی بنیادی سہولیات سے عاری، نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا کے مصداق ایمان داری سے اپنا کام کرتا رہا ہے۔ مجھے اس بات سے دِلی تقویت مل رہی ہے کہ میں اس کا نمائندہ ہوں۔

پچھلے بیس برسوں کی غزلیہ شاعری کا یہ انتخاب حاضرِ خدمت ہے۔ اس اثنا میں مختلف شعری مراحل سے گزرتا رہا۔ اعتراف اور اختلاف کے بیچ خود کو تنہا سنبھالے رکھا۔ کہیں ڈگمگاتے پانوؤں میں بیڑیاں لگا کر ایستادہ رہنا پڑا تو کہیں مضبوطی سے جمے پانوؤں میں لغزش ہوتی ہوئی جیسی کیفیت بھی محسوس کرنی پڑی۔

زبان و بیان کی سطح پر میں نے عوامی احساس کو اہمیت دینے کا فریضہ ادا کیا۔ صاف ستھری، موثر اور سادہ زبان استعمال کرنے کی کوشش کی۔ علاقائی اور دوسری زبانوں کے دلچسپ اثرات بھی میری شاعری میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

میری شاعری کا محورِ خالص میرے جذبات و احساسات ہیں۔ اس میں شامل الفاظ اور اسے برتنے کا ڈھنگ میرا ہے۔ لیکن ایک انجانی قوت ہمیشہ میرے دل و دماغ کو سنبھالتی

ہے اور میرے قلم کو ہر سطح پر حوصلہ دیتی رہتی ہے۔ میری شاعری نہ تو کسی کے اتباع کی کوشش ہے اور نہ کسی کا عکس بننے کا مرحلہ بل کہ یہ خود اپنا نقشِ قدم بنانا چاہتی ہے جس میں ساری دنیا کا عکس نظر آئے کیوں کہ

مجھے اعتراف ہے کہ
میں آج کے دور کا آدمی ہوں
آج کے محسوسات میرے دل کو ضرب دیتے ہیں
آج کے مناظر میری آنکھوں میں چمک کر
دل کو روشن کرتے ہیں
میں دنیا کے تمام دل کی دھڑکنوں کو اپنے دل میں سمیٹ کر
اسے دھڑکتا ہوا محسوس کرتا ہوں
اور میری انگلیوں کے حساس کمپن
اُنھیں آج کے تناظر میں لفظوں کا روپ دیتے ہیں
یہ محسوسات
سو فیصدی میرے، یعنی کہ ایک عام آدمی کے ہیں
جن میں یقیناً دنیا کا ہر عام آدمی خود کو محسوس کرے گا
یہی میرا ادب ہے
یہی میری شاعری
اس سے آگے نہ میں روایت پرست ہوں نہ ترقی پسند
نہ جدید اور نہ مابعد جدید
اور شاید
یہی میری کامیابی ہے
باقی ساری ناکامیاں

میں سب سے پہلے اس خدائی قوت کا اعتراف اور شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جس نے مخالف حالات میں مجھے ایسی قوت عطا کی جن سے میں اپنے شعری سفر کو رواں دواں ہوگیا۔ بزرگ نقاد پروفیسر وہاب اشرفی اور پروفیسر شمیم حنفی صاحبان نے میری آڑی ترچھی شاعری پر بہ تفصیل اظہارِ خیال کیا، اس کے لیے شکریے کے الفاظ معمولی پڑ رہے ہیں۔ اُن کے مقام و مرتبہ اور علمی مشغولیات پر نظر جاتی ہے تو مری نگاہیں جذبۂ تشکر سے جھک جاتی ہیں کیوں کہ انھوں نے اس ہیچ اور گم نام شاعر کے شعروں کو اپنی اعلانگہی سے اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔ خدا ان کی عمر دراز کرے اور ان کے علمی فیضان کا سلسلہ قائم رکھے۔

استاد محترم علی الیاس عاجز اور بڑے بھائی اور دوست محمد سہراب صاحبان جنھوں نے میری ابتدائی شاعری پر چھوٹی بڑی تنقیدیں کیں، مجھ میں اچھی شاعری کے امکانات محسوس کیے اور مجھے اس کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھنا چاہا، ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے احسان کا بوجھ محسوس کر رہا ہوں۔

اس مجموعے کی اشاعت کے مرحلے میں بہ طورِ خاص میں صغدر امام قادری، ڈاکٹر نسیم احمد نسیم، اور ڈاکٹر ظفر کمالی صاحبان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کے مفید مشوروں اور ایمان دارانہ و برادرانہ طور نے شاعری کے گہرے نکتوں کو واضح طور پر سمجھنے میں مدد دی۔ اپنے لہجے کی وجہ سے پہچانے جانے والے شاعر خورشید اکبر نے میرے مجموعے پر نظرِ ثانی کی اور فنی اسقام سے بچانے میں میری رہنمائی کی، اس کے لیے میں صمیمِ قلب سے اُن کا شکر گزار ہوں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین اور قمر الزماں کا شکر گزار ہوں جن کی برادرانہ ہمت افزائیاں وقتاً فوقتاً مجھ میں کمزور ہو رہے اور تھکتے ہوئے شاعر کو ہمیشہ توانا بنائے رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں عظیم ہاشمی، رؤف الاعظم اثر، سریش گپت اور ارون گوپال بھی شکریے کے مستحق ہیں۔

میرے لیے اپنے اہلِ خانہ کا شکریہ ادا کرنا فرضِ عین ہے جن میں خاص طور سے خسر محترم احمد کریم، برادرِ نسبتی پروفیسر ناز قادری، سابق صدر شعبۂ اردو، بہار یونی ورسٹی،

محمد ہارون، بہن شمیم آرا، نسیم آرا، برادران افضل امام قادری، اختر امام قادری اور اصغر امام قادری جن کی دعائیں میرے شاملِ حال ہیں۔

میں اپنے آبائی شہر کے تمام بزرگ شعرا و ادبا کی دعاؤں کا طالب ہوں اور دوسرے سبھی چھوٹے بڑے فنکاروں کا شکر گزار ہوں کیوں کہ ان کے مثبت مشوروں نے تو مجھے ہمت دی ساتھ ہی ان کے منفی نقطۂ نظر کو بھی میں نے مثبت زاویوں میں بدل کر قبول کر لیا۔

میں اپنی شریکِ حیات نسیم آرا کا بہ طور خاص شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے میری شاعری ہی نہیں جذبات کو بھی سمجھا اور مجھ پر سو فیصدی اعتماد رکھا۔ میں اپنی آٹھ سالہ بیٹی سحر نازلی کا بھی ذکر کروں گا جس نے جب بھی مجھے شعر پڑھتے دیکھا اور سنا تو مقطع میں اپنا نام رکھنے کی ضد کر کے مجھے خوب محظوظ کیا۔

اخیر میں ایک بار پھر صفدر امام قادری اور ڈاکٹر نسیم احمد نسیم کا میں شکر گزار ہوں کہ اشاعت کی بڑی ذمّے داریاں خود اپنے کاندھوں پر لے کر چھوٹے بھائی ہونے کا انھوں نے حق ادا کر دیا۔

اپنی باتیں سمیٹتے ہوئے میں قارئین سے گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ میرے اس شعری مجموعے میں اگر کچھ خامیاں راہ پا گئی ہوں تو کوششِ اوّل سمجھ کر نظر انداز کر دیں اور اپنے مشوروں سے ضرور نوازیں تا کہ آئندہ اور بہتر شاعری پیش کر سکوں۔ شکریہ۔

ظفر امام

صدر شعبۂ جغرافیہ، جی۔ ایم۔ کالج۔ بتیا۔ بہار

رہائش : قادری منزل، محلّہ نونیار، بتیا، مغربی چمپارن، بہار

فون : 9835017527، 06254-236911

فہرست

ظفر امام کی شاعری : فکری اور معنوی اعتبار سے اجتہاد (مقدمہ) پروفیسر وہاب اشرفی ۷

مختلف تخلیقی فضا : پروفیسر شمیم حنفی ۱۳

گفتگو : ظفر امام ۱۴

۱ : شام ہوگی تو سورج گزرتا چلا جائے گا ۲۳

۲ : اک مہاجر کی طرح گھر میں جیا جائے نہیں ۲۴

۳ : دکھ درد مرے پاس بھی جوہر کی طرح ہیں ۲۵

۴ : ناؤ دریا میں چلے، سامنے منجدھار بھی ہو ۲۶

۵ : سورج کا بادلوں سے نکلنا ہوا محال ۲۷

۶ : میں آنکھ سے نہیں، آنسو سے پیار کرتا ہوں ۲۸

۷ : نسل ہماری، ان کی عزت کرتی ہے ۲۹

۸ : میرے اندر کا غرور، اندر گزرتا رہ گیا ۳۱

۹ : دنیاداری کے حصے میں ہم جیسے بھی داس رہے ۳۲

۱۰ : آدمی مسافر ہے، زندگی کے رستے کا ۳۳

۱۱ : اپنوں کی التفات کا اظہار کیا کرے ۳۴

۱۲ : بھیک میں ہونٹوں کو بھی خوشی نہیں ملتی ۳۵

۱۳ : ہمارے نام صحیفہ تو ہے رسولوں کا ۳۶

۱۴ : درد کی دھوپ بھرے دل کی تمازت لے کر ۳۷

۱۵ : ہماری آنکھ میں موتی کہاں سے آتے ہیں؟ ۳۸
۱۶ : ہونٹ ہلتے ہیں، مگر گرمیِ گفتار نہیں ۳۹
۱۷ : ظفؔر صاحب اگر ہم سے کوئی وعدا نہیں ہوتا ۴۰
۱۸ : میں ہی دستک دینے والا، میں ہی دستک سننے والا ۴۲
۱۹ : نکل کے آنکھ سے آنسو کے دانے آتے تھے ۴۳
۲۰ : درد بہتا ہے دریا کے سینے میں پانی نہیں ۴۴
۲۱ : ساحل پر دریا کی لہریں سجدا کرتی رہتی ہیں ۴۵
۲۲ : خواہش بھی سرحد سے پار ہوئی جاتی ہے ۴۶
۲۳ : چراغ میرے نصیبوں کے جلتے جاتے ہیں ۴۷
۲۴ : آنسوؤں کی جھیل میں آنکھوں کا غوطا دیکھیے ۴۸
۲۵ : ہونٹ مسکراتے ہیں، دل پہ غم کا پہرا ہے ۴۹
۲۶ : آفتوں میں سخت جانی کا ارادا کر لیا ۵۰
۲۷ : ہم اپنے شکم کے لیے ماتم کے نوالے ۵۲
۲۸ : سچائی کی ہے یا جھوٹے گھر کی ہے ۵۳
۲۹ : بارش میں اعتبار کی کھیتی چلی گئی ۵۴
۳۰ : کئی یگوں سے یہی رسم و راہ جاری ہے ۵۵
۳۱ : رشتے ناتے ہیں دنیا کے قدموں پہ ٹھوکر جیسے ۵۶
۳۲ : تمام رات مری روشنی میں چلتا ہے ۵۷
۳۳ : خوشی کے بادلوں پر ہے، ہوا کی پہرے داری ۵۸
۳۴ : مصیبت کی فصیلوں پر ہمارے سر لٹکتے ہیں ۵۹

احساس کی ہجرت

۳۵ : جس رستے میں میل کے پتھر ہوتے ہیں ۶۰

۳۶ : کسی کی مٹھیوں میں روشنی کی سانس آجائے ۶۲

۳۷ : کالے کالے بادل کی یلغاریں ہیں ۶۳

۳۸ : دھوپ نکلی، کبھی بادل سے ڈھکی رہتی ہے ۶۴

۳۹ : میری ان آنکھوں میں تو اندھیاروں کی خیراتیں ہیں ۶۵

۴۰ : مری قسمت کہیں بدقسمتی کے ساتھ رہتی ہے ۶۶

۴۱ : بھلے ہی آنکھ مری ساری رات جاگے گی ۶۷

۴۲ : ہوا چلی تھی مگر روشنی بجھا نہ سکی ۶۹

۴۳ : دوستوں کی آنکھوں میں دشمنی کے تیور ہیں ۷۰

۴۴ : ہم گھر سے نکل جائیں تو پھر گھر نہ ملے گا ۷۱

۴۵ : ہم نے اپنی زندگی کے واسطے سودا کیا ۷۲

۴۶ : قافلے منزل پہ آ کے پھر تلاشیں گے سفر ۷۳

۴۷ : بے چاری آنکھوں سے جو یہ آنسو گرتے رہتے ہیں ۷۴

۴۸ : گناہ، رات کے پردے میں کر گزرتا ہے ۷۵

۴۹ : دکھائی پڑتی ہے اک عالی شان گھر کی طرح ۷۶

۵۰ : مصروفیت کی آنکھ سے فرصت بھی دیکھیے ۷۷

۵۱ : آگے نکل کے پیچھے کی جانب قدم چلے ۷۸

۵۲ : اپنے گھر میں تو مہاجر کی طرح ہم بھی ہیں ۸۰

۵۳ : اندھیرے میں بھی کوئی راستہ نکال ظفر ۸۱

۵۴ : بے سبب آنسو ہماری آنکھ سے بہتے نہیں ۸۳

۵۵ : کسی گناہ کا چہرا دکھا رہا ہوگا ۸۴

۵۶	: امید کی دہلیز پہ موسم کا نظارا	۸۵
۵۷	: وہ مصلحت کے کھلونوں سے پیار کرتا ہے	۸۷
۵۸	: دنیا کی آنکھوں میں دھیرے دھیرے خاموشی ہوتی	۸۸
۵۹	: اک ندی میں سیکڑوں دریا کی طغیانی ملی	۸۹
۶۰	: مصلحت کی ڈور ہاتھوں سے اگر چھوٹے نہیں	۹۰
۶۱	: وقت کے بہتے ہوئے دریا میں ٹھہرا آدمی	۹۱
۶۲	: مجھ کو اس جیون سے کتنی دوری ہے	۹۲
۶۳	: رات بھر نزدیکیاں اور دن کو دوری ہو گئی	۹۴
۶۴	: تری دعائیں ٹھٹھرتی ہیں سردیوں کی طرح	۹۵
۶۵	: لفظوں کو گھائل کر دیتے ہیں جذبات	۹۷
۶۶	: چراغوں کی طرح بجھتے ہوئے ہر شام جلتے ہیں	۹۸
۶۷	: جیون کی آنکھوں میں منظر دھوپوں کا	۹۹
۶۸	: کسی سے دوستی رکھی تو دشمنی بھی رہی	۱۰۱
۶۹	: دل کے پانوؤں میں زنجیر سنہری سی	۱۰۲
۷۰	: کوئی مظلوم اپنی زندگی چاہے تو جی لے گا	۱۰۳
۷۱	: چمکیلی تیز نکیلی دھڑکن کا وارث	۱۰۴
۷۲	: میں سوچتا ہوں اگر دوسرا جنم ہوگا	۱۰۶
۷۳	: ٹوٹی ہوئی کشتی کو سمندر کا سہارا	۱۰۷
۷۴	: آنکھیں دیکھیں، یا نہ دیکھیں، دل دیکھے گا	۱۰۸
۷۵	: رکھو اپنے جذبوں کے طوفان اپنے لیے	۱۱۰
۷۶	: جسم بچتا ہے تو تلوار پہ سر جاتا ہے	۱۱۱

شام ہوگی تو سورج گزرتا چلا جائے گا
آسماں کو لہو رنگ کرتا چلا جائے گا

دھوپ کا راستہ بند کرنا نہیں شہر میں
راستہ چھاؤں میں بھی ٹھہرتا چلا جائے گا

زندگی تیرے دُکھ درد کا ذائقہ ہے یہی
سانس در سانس اک زہر بھرتا چلا جائے گا

چھوڑ دو مجھ کو، اپنی نظر میں ہی خوش رہنے دو
زخم جراحیوں سے اُبھرتا چلا جائے گا

ظلمتیں دو گھڑی کی حکومت بناتی ہیں کیوں
دن ہوا تو یہ نقشہ اُترتا چلا جائے گا

کیا کرو گے ظفر خامشی کی سماعت پہ تکیہ کرو
ہجرتوں کا سفر آہ بھرتا چلا جائے گا

○

اک مہاجر کی طرح گھر میں جِیا جائے نہیں
زندگی زہر ترا ہم سے پیا جائے نہیں

توڑ دی ہم نے ہر اک شرط گزارش والی
صبر پتّھر کے کلیجے پہ لکھا جائے نہیں

تم سے کرنا ہے، زمیں! اپنے گناہوں کا حساب
آسمانوں کی طرف میری دعا جائے نہیں

بارشو! تم نے تو جَل تھَل کا سماں باندھ دیا
خشک ہونٹوں سے کوئی درد کہا جائے نہیں

ہم تو سیکھیں گے گناہوں کو نبھانے کا ہنر
ہم سے اس دل کو زمیں دوز کیا جائے نہیں

خواب تعبیر نکالے گا بدن سے اپنے
کوئی منظر اَبھی باہر سے لیا جائے نہیں
□

○

دکھ درد مرے پاس بھی جوہر کی طرح ہیں
ظلمت میں وہ قندیلِ منوّر کی طرح ہیں

فٹ پاتھ پہ راتوں کو مزہ ملتا ہے گھر کا
ہم دن کے اُجالے میں تو بے گھر کی طرح ہیں

ٹھہرے ہیں مگر آگے ہے چلنے کا ارادہ
ہم لوگ یہاں میل کے پتھر کی طرح ہیں

ہر موج پہ ہمّت مری پتوار ہے لیکن
امید کی آنکھیں تو سمندر کی طرح ہیں

چاہیں گے تو قدموں پہ یہ دنیا بھی جُھکے گی
ہم اپنے ہی ہاتھوں میں مقدّر کی طرح ہیں

سڑکوں پہ نکل آئیں تو آوارہ نہ سمجھو
ہم سینۂ صحرا میں کسی گھر کی طرح ہیں

❑

ناو دریا میں چلے، سامنے منجدھار بھی ہو
ڈوب جانے کے لیے ہر کوئی تیار بھی ہو

کیسے روکے گا سفر میں کوئی رستہ جب کہ
دل میں اک جوش بھی ہو، پانو میں رفتار بھی ہو

ساری امیدیں اُسی ایک سہارے کی طرف
ناامیدی کے سفر میں وہی دیوار بھی ہو

ہر طرف سے نئے الزام کی بارش مجھ پر
اپنے ہونے کا یہ احساس گنہ گار بھی ہو

جس دعا کے لیے وہ رات کٹی آنکھوں میں
وہ دعا خود سے گزر جانے کا آزار بھی ہو

فاتحہ اپنے گناہوں کا بھی پڑھتا ہے ظفرؔ
زندہ احساس کے ہو جانے سے بے زار بھی ہو

سورج کا بادلوں سے نکلنا ہوا محال
دل کے چراغ تو ہی ذرا روشنی اُچھال

لفظوں کی دھوپ، ہونٹ کے پیالے میں آگئی
ہم نے بھی سائبان کا رکھا نہیں خیال

راتوں کی سب سیاہیاں سینے میں جذب ہیں
جذبوں نے اوڑھ لی ہے مگر روشنی کی شال

ہر بوند جسم و جاں کی محافظ ہے، اس لیے
پیاسا جواب دے گا، سمندر کرے سوال

دن بھر چمکنے والے، اندھیرے سے خوف کیوں؟
جس نے دیا عروج، اُسی نے دیا زوال

روشن نہ ہو سکا کسی احساس کا چراغ
سورج مری اَنا کے لیے راستہ نکال

○

میں آنکھ سے نہیں، آنسو سے پیار کرتا ہوں
کہ ریگ زار میں لہریں شمار کرتا ہوں

تمام نقشِ قدم چوم کر نگاہوں سے
خود اپنا طرزِ سخن اختیار کرتا ہوں

وہ نا سمجھ ہے، گناہوں سے بچ کے رہتا ہے
سمجھ کے، میں تو یہی کاروبار کرتا ہوں

خدا کی رحمتیں قسطوں میں کیوں نہیں مانگوں
میں آدمی ہوں، خطا بار بار کرتا ہوں

اُجالے میری طرف دیکھتے ہیں حسرت سے
قدم قدم پہ اندھیروں کو پار کرتا ہوں

کسی مقام پہ ہو جائے مجھ سے گستاخی
تلافیوں کے لیے انتظار کرتا ہوں

□

○

نسل ہماری، ان کی عزّت کرتی ہے
جن پہ نازاں میرے دیش کی دھرتی ہے

میں مورکھ، تو دنیا بھی چالاک کہاں
یہ بھی میرے آگے پیچھے رہتی ہے

سب نے خود کو سستے داموں بیچ دیا
دیکھا کہ جب بازاروں میں مَندی ہے

جُھک کے ملنے میں رسوائی ہے لیکن
مجھ پہ میرے دل کی یہ پابندی ہے

میں کشتی، منجدھار سے ہے یاری اپنی
لہر مجھے ماں کی گودی سی لگتی ہے

اُس سرحد پہ جانے سے انکار کرو
جس سرحد کے آگے دنیا اندھی ہے

زور زبردستی سے سیڑھی چڑھ جائے
ایسی عزّت اُلٹے پاؤں اُترتی ہے
□

احساس کی ہجرت

(غزلیں)

ظفر امام

عصری سنگِ میل پبلی کیشنز
پٹنہ

○

میرے اندر کا غرور، اندر گزرتا رہ گیا
سر سے پاؤں تک اترنا تھا، اترتا رہ گیا

بارشوں نے پھر وہی زحمت اٹھائی دیر سے
ایک ریگستان ہے کہ پھر بھی پیاسا رہ گیا

زندگی بھر آنکھ سے آنسو ندامت کے گرے
اور میرے دل کا صفحہ یوں ہی سادہ رہ گیا

پہلی بارش ہی میں تقوا کے نشاں سب دُھل گئے
سر میں اک ٹوٹا ہوا مظلوم سجدا رہ گیا

کیسے ہوگا اب خدائی، بندگی کا فیصلہ
شہر کے سارے خدا میں ایک بندہ رہ گیا

جلد منزل تک پہنچنے کا جنوں اس کو رہا
زندگی بھر اِس لیے رستہ بدلتا رہ گیا
□

O

دنیاداری کے حصّے میں ہم جیسے بھی داس رہے
جیون بھر جس کے چہرے پر خوشیوں کے بن واس رہے

میری آنکھوں میں جگنو سے جلتے بُجھتے رہتے ہیں
دل میں رہ کے برسوں تک، یہ آنسو بھی بے آس رہے

ایسا بھی کیا، جھوٹ بھروسہ رکھّے اپنے جیون کا
سچائی کی آنکھوں میں بھی جینے کا وشواس رہے

جب تک آنکھیں بند رہیں تو منظر سب من میں آئے
کُھل جائیں تو اتنا ہو کہ درشن کا احساس رہے

مِلنا جُلنا ٹھیک ہے لیکن، شرط یہی ہوگی ان سے
دل اپنے قبضے میں رکھّیں، درد ہمارے پاس رہے
❑

آدمی مسافر ہے، زندگی کے رستے کا
اک قدم ہے رونے کا، اک قدم ہے ہنسنے کا

موت اور جیون تو آتے جاتے رہتے ہیں
انتظار کرتے ہیں، دونوں ایک دوجے کا

ظاہری علامت کا یہ مقام ناممکن
آنسوؤں کے سوداگر! دل نہیں بھگونے کا

اے خدا، ترا جلوہ، سامنے تو آجائے
میرے سر کو رہتا ہے، انتظار سجدے کا

ذہن کی کتابوں کے ہیں ورق بڑے چھوٹے
حاشیہ برابر ہے پھر بھی دل کے رشتے کا

کامیاب ہوجاؤں میں بھی ایک دن مولا
مجھ میں بھی اُتر جائے شعر میرے لہجے کا

O

اپنوں کی التفات کا اظہار کیا کرے
انسانیت ہے آج سرِدار، کیا کرے

کاغذ کی ناو، ڈوب کے جانے کا بھی ہے شوق
جب ہاتھ بھی نہیں ہیں تو پتوار کیا کرے

کشتی کو حکم ہے کہ پہنچنا ہے اُس طرف
دریا بھی ہے غلام تو منجدھار کیا کرے

اک مستقل لڑائی رہی زندگی کے ساتھ
وہ شخص اپنے آپ سے بھی پیار کیا کرے

سب جانے والے لوگ چلے آئے لَوٹ کر
مجبور ہے یہ ناو، ندی پار کیا کرے

چلنے کی خواہشیں ہوں تو رستہ بنایئے
رستہ چلے تو پاؤں کی رفتار کیا کرے
❑

○

بھیک میں ہونٹوں کو بھی خوشی نہیں ملتی
آنکھ کو آنسو، جیسے بن مانگے موتی

ایک صدی کی خوشی سمٹ کر نقطے میں
اک نقطے کا غم پھیلا تو صدی ہوئی

سچائی حساس بنے، یا بے حِس ہو
ہوتی رہتی ہے اکثر خانہ جنگی

مہنگی ہوتی ہیں دنیا کی سب چیزیں
پائی پائی بکتی ہے گھر کی نیکی

پتھر دل تپ کے سونا ہو جائے گا
آنچ اگر دیتی ہو جذبوں کی گرمی

دریا، ساحل پر خاموش ہوا کیسے؟
دریا کی تھی یا ساحل کی تھی مرضی؟

❑

○

ہمارے نام صحیفہ تو ہے رسولوں کا
مگر پڑوس میں منظر اُگا بَبولوں کا

میں کر رہا ہوں ازالہ جو اپنی بھولوں کا
ترے بدن سے چُراؤں گا رنگ پھولوں کا

ہماری موت پہ دشمن بھی بَین کرتے ہیں
قسم دعاؤں کی، یہ وقت ہے قبولوں کا

کہ ہم نے جھیلی ہے جی بھر کے خشک سالی بھی
مزہ نہ آئے گا ساون تمہارے جھولوں کا

میں اپنے آپ میں اک مسئلے سے کم تو نہیں
مری رگوں میں لہو ہے بُرے اصولوں کا

ہمارے پاس صحیفے کہاں سے آئیں گے
ہمارے ہاتھ سے موسم گیا نزولوں کا
□

درد کی دھوپ بھرے دل کی تمازت لے کر
کیسے جائے کوئی، احساس کی ہجرت لے کر

پھر کہاں جایئے، اب بیٹھیے، ماتم کیجئے
دل کے ہاتھوں میں یہ انمول شرافت لے کر

کیا کہیں، اب تو نکلنا بھی بہت مشکل ہے
اپنے کاندھے پہ خود اپنی ہی ضمانت لے کر

پیٹ کی بھوک! تماشے پہ تماشہ کرلے
ہم تھکیں گے نہیں، اس بھوک کی عادت لے کر

اپنے بستر پہ کسی رات ہمیں نیند آ جاتی
اور پھر خواب نہیں آتے ضرورت لے کر

دیکھیے، سوچیے، محسوس تو ہونے دیجے
درد کی دھوپ میں احساس کی لذّت لے کر

ہماری آنکھ میں موتی کہاں سے آتے ہیں؟
ہمارے چاند ستارے خوشی مناتے ہیں

ہر ایک بار وہی کشتیاں بناتے ہیں
ہر ایک بار سمندر سے مات کھاتے ہیں

عجائبات میں ہم کیوں نہیں ہوئے شامل
پہاڑ سر پہ عذابوں کا جب اٹھاتے ہیں

نہ مصلحت کی نظر ہے ہماری آنکھوں میں
نہ ہوش و فہم کے نرغے میں خود کو لاتے ہیں

ہمارے وقت کے رشتوں کا کیا بھروسہ ہے؟
کسی طرح سے انھیں عادتاً نبھاتے ہیں

مصیبتوں کے اکھاڑے میں جلد بازی کیا؟
چلو، ٹھہر کے یہاں کرتبیں دِکھاتے ہیں

ہونٹ ہلتے ہیں مگر گرمیِ گفتار نہیں
لفظ، جذبوں کی محبت میں گرفتار نہیں

اب تو ہم بھی ہیں اکیلے ہی مقابل، اے دوست
ناو منجدھار میں ہے، ہاتھ میں پتوار نہیں

ہوگیا اب تو شروع روند کے آنا جانا
درد کی دھوپ میں احساس کی دیوار نہیں

بے زبانی میں بھی ایمان کا پرتَو ہوگا
دل گنہ گار ہے، جذبات گنہ گار نہیں

پھر کوئی اور جتن کرلے مسافر میرے
پاٹو رکھنے کے لیے راستہ تیار نہیں

دل میں اب بھی تو کوئی شمع جلانے کا ہو شوق
جل کے مرجانے سے پروانے کو اِنکار نہیں

○

ظفؔر صاحب اگر ہم سے کوئی وعدا نہیں ہوتا
تو سب ہوتا مگر ایمان کا سودا نہیں ہوتا

گناہوں کے سفر میں مشکلوں سے بچ کے رہیے گا
گلے پڑجائیں تو آگے کوئی رستا نہیں ہوتا

فقیری شان والی زندگی کو زندگی کہیے
کسی سے بھی، کسی بھی بات کا شکوا نہیں ہوتا

میاں! پیشانیوں سے ربِّ اعلا مارتے کیوں ہو؟
ہزاروں، لاکھوں سجدوں میں بھی اک سجدا نہیں ہوتا

© ظفر امام

کتاب کا نام : احساس کی ہجرت (شعری مجموعہ)
شاعر : ظفر امام
اشاعتِ اوّل : ۲۰۰۸ء
ناشر : عصری سنگِ میل پبلی کیشنز، آرزو منزل، شیش محل کالونی، عالم گنج، پٹنہ ۔۷ (بہار)
شاعر کا پتا : قادری منزل، محلّہ نونیار، بتیا (بہار)
قیمت : ایک سو روپے ۔/Rs.100

تقسیم کار

- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
- بک امپوریم، پٹنہ ۔۴ (بہار)

ہماری زندگی کا موت سے رشتہ تو ہوتا ہے
مگر اِس موت کا ہم سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا

دلوں کا درد لے کر آنکھ کے رستے سے آتا ہے
یہ آنسو، مشکلوں میں بھی کبھی تنہا نہیں ہوتا

اگر احساس ہوتا اپنی عظمت اور بلندی کا
نکل کر آدمی جنّت سے بھی رسوا نہیں ہوتا
❑

میں ہی دستک دینے والا، میں ہی دستک سننے والا
اپنے گھر کی بربادی پر میں ہی سر کو دھننے والا

جیون کا سنگیت اچانک انتم سُر کو چھو لیتا ہے
ہنستا ہی رہتا ہے پھر بھی، میرے اندر مرنے والا

رشتے بوسیدہ دیواروں کے جیسے ڈھہہ جائیں پَل میں
لیکن میں بھی دیواروں کے ملبے سے سَر چُننے والا

لفظوں کے پانوؤں کو چھوکر آشیروادی لہجے میں
میری غزلوں میں بھی اک جذبہ ہے دل کو چھونے والا

تھوڑی سی مہلت ملتی تو پاپوں سے میں ہی بھر لیتا
جیون کا اک صفحہ بھی تھا کیسے سادہ رہنے والا

میں اپنے دکھ کے ساگر میں کوئی پتھر پھینکوں کیسے؟
برسوں تک ناممکن ہے وہ لَوٹے، لہریں گِننے والا

○

نکل کے آنکھ سے آنسو کے دانے آتے تھے
ستم کے ہاتھ پہ بیعت کرانے آتے تھے

ابھی تو پاؤں میں چھالے ہیں، کس طرح جاؤں
سفر نہیں تھا، تو رستے بلانے آتے تھے

ہزاروں جگنو تھے، پھر بھی ہماری آنکھوں میں
اندھیرے شام ڈھلے جگمگانے آتے تھے

میں جم کے بیٹھا ہوا تھا، چراغ کی لَو میں
ہوا کے ہاتھ مجھے آزمانے آتے تھے

یہ مشغلہ تھا کہ بُنتے تھے لفظ راتوں کو
صبا کے ہونٹ غزل گنگنانے آتے تھے

تمہاری تیغ نے مقتل بنا دیا ورنہ
ہزاروں سجدے اِسی آستانے آتے تھے

□

درد بہتا ہے، دریا کے سینے میں پانی نہیں
اس کا چٹان پہ سر پٹکنا کہانی نہیں

بات پہنچے، سماعت کو تاثیر دے، کس طرح
لفظ ہیں اور لفظوں میں زورِ بیانی نہیں

ٹوٹ جائے گی دیوار، جتنی بھی مضبوط ہو
اُس کے احساس کی دھوپ بھی سائبانی نہیں

کیا سمجھ بوجھ کر ہم بھی اپنا خدا ہو گئے
جیسے دنیا ہمیشہ کی ہو، دارِفانی نہیں

ڈوبتے ڈوبتے ناو پہنچے گی اک دن ضرور
میرے ساحل پہ دریا تری مہربانی نہیں

ہم سبھی ایک رشتے کی منجدھار میں قید ہیں
چیخنا کشتیوں کا ظفرؔ، بے معانی نہیں

ساحل پر دریا کی لہریں سجدا کرتی رہتی ہیں
لَوٹ کے پھر آنے جانے کا وعدا کرتی رہتی ہیں

کیا جانے، کب دھرتی پر سیلاب کا منظر ہو جائے
ہر دم یہ مجبور نگاہیں، ورشا کرتی رہتی ہیں

اُن کی نیّا، بِن مانجھی کے پار کرے گی سب دریا
کیوں کہ ڈھیر دعائیں جیسے پیچھا کرتی رہتی ہیں

کس کس منظر پر خود کو رنجیدہ کر لوں، سوچوں گا
ہر منظر پر آنکھیں میری نوحہ کرتی رہتی ہیں

بے محنت جب روٹی قیدی بن جاتی ہے تھالی کی
بے غیرت سی راتیں مجھ سے شکوہ کرتی رہتی ہیں

پتھر ہوجائیں یا پانی رِم جھم رِم جھم برسائیں
آنکھیں سارے منظر کو آئینہ کرتی رہتی ہیں
❑

○

خواہش بھی سرحد سے پار ہوئی جاتی ہے
ہونا تھا جو آخرکار ہوئی جاتی ہے

کیا ساری دنیا بدکار ہوئی جاتی ہے
رستہ ہونا تھا، دیوار ہوئی جاتی ہے

ظلمی سب نکلے جاتے ہیں دن بھوگے ہی
مظلومی مصلوب و دار ہوئی جاتی ہے

جانے والوں کی آنکھوں سے اک اک بوند
مٹی چھونے کو بیزار ہوئی جاتی ہے

طوفانوں کا زور نہیں ہے تھمنے والا
پھر بھی نیّا دریا پار ہوئی جاتی ہے

خواہش تھی اک بوند تمنا جو پینے کی
اب تو وہ ساگر آکار ہوئی جاتی ہے
☐

○

چراغ میرے نصیبوں کے جلتے جاتے ہیں
ہر ایک موڑ پہ منظر بدلتے جاتے ہیں

کسی بھی حال، میں رُکنا انھیں پسند نہیں
جنھیں شعور ہے، گرتے سنبھلتے جاتے ہیں

قریب ہو کے بھی کچھ فاصلہ نہ رکھیے تو
یہ ہم نے دیکھا ہے، رشتے بدلتے جاتے ہیں

تم ایک رات گنہ گار بن کے کاٹ ہی لو
اندھیرے، دل کی سیاہی پہ لکھتے جاتے ہیں

تعلّقات کی کشتی تلاشنے میں ظفؔر
نظر سے دوٗر کنارے نکلتے جاتے ہیں
□

آنسوؤں کی جھیل میں آنکھوں کا غوطا دیکھیے
یعنی دل میں درد کا احساس ہوتا دیکھیے

اِس زمانے کا تعارف خود بہ خود ہوجائے گا
دل کی آنکھوں سے اگر اپنا ہی چہرا دیکھیے

دن کے اجیالے حقیقت ہیں، کہاں ٹھہریں گے آپ
جایئے، اور رات کی آنکھوں میں سپنا دیکھیے

علم کی پھیلی ہے جتنی دور تک بھی روشنی
اس کے آگے پھر اندھیرا ہی اندھیرا دیکھیے

آفتیں دشمن کے سر ٹکرا کے واپس ہوگئیں
بے مصلاّ، بے وضو، سجدے پہ سجدا دیکھیے

بے یقینی کا نظارا دل کی ہر دھڑکن میں ہے
آنکھ صحرا دیکھیے یا آنکھ دریا دیکھیے

ہونٹ مسکراتے ہیں، دل پہ غم کا پہرا ہے
اور کیا زمانے میں آدمی کا چہرا ہے

زندگی مری جانب، سوچ کر قدم رکھنا
دل مرا سمندر ہے اور خوب گہرا ہے

شکر ہے گناہوں میں مجھ کو کرلیا شامل
ورنہ اِس زمانے میں کون، کس کی سنتا ہے

محنتوں کے کاندھے میں زور کم تو ہوگا ہی
ہاتھ کی لکیروں کا اعتبار زیادہ ہے

آج کل زمانے کا اعتبار کیا ہوگا؟
بے لباس جذبوں کا آدمی کھلونا ہے

کاغذی لباسوں سے کام چل نہیں سکتا
آنسوؤں کی بارش میں بھیگنا بھی ہوتا ہے
❑

آفتوں میں سخت جانی کا ارادہ کرلیا
پھر تو دیواروں نے بھی گرنے کا وعدا کرلیا

میں نے کچھ امید، ناامیدیوں سے کیا رکھی
دل کو صحرا کی طرح، آنکھوں کو دریا کرلیا

کشتیوں کو جب سمندر سے ملی تھیں دھمکیاں
ناخداؤں کو خدا والوں نے سجدا کرلیا

نوچ کر میرے بدن سے اس نے کاغذ کا لباس
کم سے کم میری نظر میں خود کو ننگا کرلیا

دادا دادی کی دعاؤں

اور

اماں ابّا کی شفقتوں

کے نام

پھر خطاؤں کے لیے تیار رہنا تھا ہمیں
اس لیے فرصت کا موقع اور زیادہ کرلیا

اب قلم لکھتے ہیں بن دیکھے ہی دنیا کی رَپٹ
ہم نے آنکھوں کی طرح اِن کو بھی اندھا کرلیا

سرسراتی پتّیوں میں چھاگئیں خاموشیاں
موسموں نے جب ہواؤں کو بھی اغوا کرلیا
❑

ہم اپنے شکم کے لیے ماتم کے نوالے
رکھتے ہیں بہرحال ہر اک رات سنبھالے

کہتے ہیں کہ دنیا بھی ہے تقدیر کی ماری
اللہ بھی آدم کو تو جنّت سے نکالے

حالات نے ہم سے بھی کرائے ہیں غلط کام
جو صبر کے ہونٹوں کو دیے زہر کے پیالے

کب وقت کی تلوار اٹھے دستِ قضا میں
اور جیت کا سہرا مری تقدیر اٹھالے

امّید کے پیروں میں تھکاوٹ کا ہے احساس
لیکن مرے احساس کی آنکھوں میں اُجالے

بس ایک اثاثہ ہی مرے پاس بچا ہے
مَیں کیسے ضمیر اپنا کروں تیرے حوالے
❑

سچائی کی ہے یا جھوٹے گھر کی ہے
ویرانی اور تنہائی اندر کی ہے

تو بھی میری خودداری پہ ماتم کر
یہ خواہش نیزے پہ رکھے سر کی ہے

ساری دنیا پر مرضی اپنی لیکن
سانسوں پر قدرت ربِّ اکبر کی ہے

سینچائی کا زور وہیں آکر ٹوٹا
جس سرحد پہ کھیتی بھی بنجر کی ہے

دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے لیکن
جیون کی آشا تو اپنے گھر کی ہے

تلواریں، جیون مانگو تو دے دیں گی
ذہنیت لیکن خونی لشکر کی ہے
❑

○

بارش میں اعتبار کی کھیتی چلی گئی
آنسو کا بوجھ آنکھوں کو دیتی چلی گئی

احساس کی جبیں کو تھا مِل جُل کے سوچنا
اِس راستے پہ وہ بھی اکیلی چلی گئی

دنیا کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا ایک بار
پھر دھیرے دھیرے روشنی لیتی چلی گئی

بے سوچے سمجھے ہم بھی ندی پار آگئے
جذبوں کی ناو ساتھ نبھاتی چلی گئی

کیسے بچے گا مٹّی کا گھر؟ سوچتے رہے
بارش ہمارا درد سمیٹی چلی گئی

تنہا بچے تھے نرغۂ اعدا میں ہم ظفرؔ
اک سر بچا لیا تو ہتھیلی چلی گئی

❑

○

کئی یگوں سے یہی رسم و راہ جاری ہے
نظر کی شاخ پہ ظلمت کی پہرے داری ہے

ہمارے سر پہ عذابوں کا بوجھ رکھ دینا
گلی کے موڑ سے اگلے سفر کی باری ہے

جڑوں کے ساتھ اُگے ہیں اِسی زمین سے ہم
اِسی زمین پہ رہنے میں ہوشیاری ہے

چُھپانے والے کا چہرہ بتائے گا سب کچھ
کہاں اجالا ہے، کتنی سیاہ کاری ہے

غموں کی فصل وہی کاٹ لیں، وہی چکھیں
ہمارے کھیتوں میں خوشیوں کی آب یاری ہے
❑

○

رشتے ناتے ہیں دنیا کے قدموں پہ ٹھوکر جیسے
مالک کے ٹکڑوں پہ پلنے والے اک نوکر جیسے

میں نے خود اپنے کو اپنی آنکھوں سے کیوں دیکھ لیا؟
سہما سہما رہتا ہوں ہردم خونیں منظر جیسے

بوتا رہتا ہوں بے دردی کی فصلیں اپنے اندر
لیکن میرے دل کے جذبے ہوتے ہیں بنجر جیسے

میری آنکھوں سے گرنے والے یہ خوشیوں کے آنسو
روز و شب ٹپ ٹپ کرتے ہیں برساتی چھپّر جیسے

دل کے دروازے کی پہرے داری مجھ سے کیا ہوگی؟
گھر میں بھی رہتا ہوں اور ہوجاتا ہوں بے گھر جیسے
❑

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

○

تمام رات مری روشنی میں چلتا ہے
میں جاگتا ہوں تو وہ کروٹیں بدلتا ہے

وہ مجھ پہ نظرِ عنایت کرے گا میری طرح
وہ دشمنی بھی مرے راستے سے کرتا ہے

تعلّقات کی کشتی پہ میرے ساتھ ہے وہ
مگر وہ روز نئی کشتیاں بدلتا ہے

تری نگاہِ کرم کا گلہ نہیں مجھ کو
دلِ تباہ مِرے ساتھ چلتا رہتا ہے

میں اپنی رات گنہ گار بن کے کاٹوں گا
مِرا نصیب ظفؔر اپنے پانو چلتا ہے
❑

○

خوشی کے بادلوں پر ہے، ہوا کی پہرے داری
کہاں اس پر رہی ہے، میری تیری اختیاری

ہمارے سر پہ رکھا جائے گا پھر تاج لیکن
نبھے گی کیا کسی صورت بھی ہم سے تاج داری

ہمیں سننے کی فرصت ہو بھی تو سننا نہیں ہے
ذرا دیکھیں، کہاں تک جا رہی ہے بے قراری

یہ کیا، ہربار دھوکا کھا رہا ہے دل ہمارا
لہو کی گرمیوں پہ موسموں کی برف باری

ہم ایسے جی رہے ہیں، جیسے کہ رکھا ہوا ہے
خود اپنے سر پہ اپنی زندگی کا بوجھ بھاری

کسی احساس کے کاندھے تمنّا کی چِتا رکھ
کیے جاتے ہیں اشکوں سے ہم اس کی آب، یاری

□

○

مصیبت کی فصیلوں پر ہمارے سر لٹکتے ہیں
مگر وہ سرفروشی کی زباں میں بات کرتے ہیں

ہمارا ناامیدی سے بھی اک رشتہ پرانا ہے
ہماری آنکھ میں امّید کے منظر بھی رہتے ہیں

بھنور میں ڈوبتی ناؤں کا منظر میں نے دیکھا ہے
ہزاروں قافلے میری ندی سے پار اُترتے ہیں

تم اپنی کشتیاں اپنے سمندر میں ہی رہنے دو
فرشتے بھی ہمارے دل کی گہرائی سے ڈرتے ہیں

ہمیں اس بات کا خطرہ نہیں کہ موت آئے گی
ہم اپنی زندگی میں یوں ہی جیتے، یوں ہی مرتے ہیں

زمیں پر پانو رکھنے کی اجازت بھی نہیں ملتی
مگر اُڑتے ہوئے آکاش چھونے کو نکلتے ہیں

□

ظفر امام کی شاعری
فکری اور معنوی اعتبار سے اجتہاد

□ پروفیسر وہاب اشرفی

جناب ظفر امام کی تقریباً ستر غزلیں میرے پیشِ نظر ہیں۔ ان سے یہی رابطے کی ایک صورت نکلی ہے۔ اس لیے کہ ان غزلوں سے پہلے ان کے بارے میں میرا ایسا کوئی مطالعہ نہیں تھا جو کسی قسم کی تنقیدی رائے کا باعث ہوتا۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ موصوف کی غزلوں کی پہلی قرأت ہی گرفت میں لے لیتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غزل میں متعلقہ شاعر نے اپنی سوچ و فکر سے زندگی کے کتنے ہی گوشوں کو اُجالنے کی سعی کی ہے۔ عجیب بات ہے کہ ۱۹۸۰ء کے بعد ابھرنے والے غزل گو شعرا تتبع اور نقل کی فضا سے دُور نکل جانا چاہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے کہ شاعری کے اجتماعی مزاج سے نئی نسل عاجز آ گئی ہو اور اپنے طور پر اُن صنفوں کو بھی برتنے کی کوشش میں لگی ہو جس کا ڈھب بہت پہلے متعیّن ہو چکا ہے۔ روایت پر نگاہ اور پھر اس روایت سے نئی فکر اور نئے اسلوب کی طرف قدم بڑھانا شاعر کا موقف ہے۔ ایسی صورت میں ظفر امام کی غزلیں بھی فکری اور معنوی اعتبار سے اجتہاد کا پتا دیتی ہیں۔ یوں بھی غزل اپنے تیور کے لحاظ سے زمانے کے نشیب و فراز کو اپنے دامن میں جگہ دیتی رہی ہے۔ حساس فن کار اس روش کو زیادہ حوصلے

○

جس رستے میں میل کے پتھر ہوتے ہیں
اس رستے میں مشکل سے گھر ہوتے ہیں

ہم نے تو دل اپنے سینے میں رکھا
کتنوں کے دل ہیں کہ بے گھر ہوتے ہیں

ایسے ہی مجبور نہیں کرتے سب کو
میرے آنسو کے پس منظر ہوتے ہیں

جس نے بھی محسوس کیے رشتے ناتے
اس کے احساسات سکندر ہوتے ہیں

ہم نے جو کچھ بھی دیکھا اِس دنیا میں
وہ سب ہم جیسوں سے اکثر ہوتے ہیں

ہو جائے گی بوندوں کی گنتی مشکل
آنکھوں میں بھی سات سمندر ہوتے ہیں

ناسمجھی کا اک چہرا قدِ آدم
باقی سب چہرے کے اندر ہوتے ہیں
❑

○

کسی کی مٹھیوں میں روشنی کی سانس آجائے
تو پھر ظلمت میں جینے کا اسے وشواس آجائے

خوشی امّید کی صورت سڑک پر ٹھوکریں کھائے
پھر اس کے بعد ناامّید، میرے پاس آجائے

وہیں چل کے تمازت عیش و عشرت کی بھی دیکھیں گے
ہماری زندگی کا آخری بن واس آجائے

تصوّر میں ہمیشہ ایک ہی سجدے کی پیشانی
کہ اٹھّے بھی تو آنکھوں میں دعائے خاص* آجائے

یہی جو آپ کی ٹھوکر میں رہتے ہیں ظفؔر صاحب
اِنھی لفظوں کو میری شاعری بھی راس آجائے

□

*صوتی قافیہ

○

کالے کالے بادل کی یلغاریں ہیں
یعنی بارش کی پیہم بوچھاریں ہیں

ہر چہرے میں پوشیدہ ہے مکّاری
ہر دل میں نفرت کی کچھ دیواریں ہیں

موت کے پنجے سے کوئی آگے نکلے
جیون کی چم چم کرتی تلواریں ہیں

پھنس جائے نہ یہ میری تنہا کشتی
ناگن سی زلفوں والی منجدھاریں ہیں

میرے دل کی پُستک پنّوں سے خالی
آنکھوں میں لیکن لفظوں کی دھاریں ہیں

بے رحمی کی لہریں مجھ سے کھیلیں گی
کیوں کہ میرے ہاتھوں میں پتواریں ہیں
□

○

دھوپ نکلی، کبھی بادل سے ڈھکی رہتی ہے
رات دن اپنی ہی آنکھوں میں جگی رہتی ہے

دیکھتے جایئے ملنے کا یہ انداز بھی ایک
ہونٹ پہ تھوڑی مروّت کی ہنسی رہتی ہے

کیا سمندر کو بھی خطرہ ہے کہ اس میں کوئی
کلبلاتی ہوئی بے چین ندی رہتی ہے

اک نظر دیکھتی جائیں گی ہماری آنکھیں
بند دل میں کوئی کھڑکی بھی کُھلی رہتی ہے

صاف جذبوں کے حوالے سے تو غم ہیں، لیکن
ایک لمحے کی خوشی، ایک صدی رہتی ہے

دیکھ لیتے ہیں اندھیرے میں بھی رستہ اپنا
شمع احساس کے مانند جلی رہتی ہے

□

○

میری ان آنکھوں میں تو اندھیاروں کی خیراتیں ہیں
اور اس پر یہ آفت کہ باہر بھی کالی راتیں ہیں

خود کو کیسے روکوں، اندر سے کوئی اکساتا ہے
دنیا کا دل رکھنے والے جذبوں کی باراتیں ہیں

آنکھیں بھی شکوہ کرتی ہیں، بے موسم کی بوندوں کا
کیوں رے ظالم! ہر موسم میں یہ کیسی برساتیں ہیں

دریا بھی پابند ہے کتنا اپنے کلچر کا صاحب
ساحل پر ٹھہرا ہے لیکن منجدھاروں کی باتیں ہیں

تبدیلی کا اتنا گہرا نشہ ہے کہ ظفرؔ میاں
راجا بھی اب شہہ دیتے ہیں اور پیدل کی ماتیں ہیں
□

مری قسمت کہیں بد قسمتی کے ساتھ رہتی ہے
مگر مجھ سے بھی کچھ زیادہ خوشی کے ساتھ رہتی ہے

بڑی تکلیف ہوتی ہے مجھے ایسی عنایت پر
جو انجانے میں میری زندگی کے ساتھ رہتی ہے

تجھے دنیا کی آسانی اگر حاصل نہیں تو کیا
یہ جس کے واسطے آئی، اُسی کے ساتھ رہتی ہے

سراسر مسئلہ ہے، زندگی کی خانقاہوں میں
یہ دنیا ہر گھڑی، نیکی بدی کے ساتھ رہتی ہے

خدا راضی نہیں ہو، پھر بھی اپنی التجا سن لے
ہماری بندگی تو عاجزی کے ساتھ رہتی ہے

○

بھلے ہی آنکھ مری ساری رات جاگے گی
سجا سجا کے سلیقے سے خواب دیکھے گی

اجالا اپنے گھروندے میں رہ گیا تو رات
کہاں قیام کرے گی، کہاں سے گزرے گی

ہماری آنکھ سمندر کھنگالنے والی
یقین ہے کہ کبھی موتیوں سے کھیلے گی

خود اعتمادی ذرا اعتدال میں رکھیو
الٹ گئی تو وہ اپنی زبان بھولے گی

سہانی شام کے موسم میں کیوں اداسی ہے
ہوا اِدھر سے چلی تو کہاں پہ ٹھہرے گی

کسی اَنا کو کوئی مصلحت نہ چھو پائے
یہی تو ہے کہ مرا اعتبار رکھے گی

تمہارے سر پہ فضیلت کی چھانو ہے صاحب
خطا معاف، تمہیں یہ کھنڈر بنا دے گی
❑

ہوا چلی تھی مگر روشنی بجھا نہ سکی
وہ اپنی فتح و ظفر پر بھی مسکرا نہ سکی

ہزاروں سجدے مری سلطنت کے فرش پہ تھے
مِری انا تھی کہ وہ اپنا سر اٹھا نہ سکی

تھیں روشنی کے سمندر میں تیرتی آنکھیں
ہماری آنکھ ہی منظر ہمیں دکھا نہ سکی

ہر ایک سمت وہی روشنی گئی، لیکن
خود اپنے جسم کے اندر ہی جگمگا نہ سکی

دعا اٹھی، کہ چلی دل کی زور دار سی لہر
لبوں کی شاخ پہ لفظوں کا گھر بنا نہ سکی

ہماری آج کی تہذیب، کیا کہا جائے؟
بگڑتے وقت سے خود کو بھی جو بچا نہ سکی

سے برتنے کی کوشش کرتا ہے اور ایک طرح سے وہ اپنی راہ آپ متعین کرتا ہے۔

ظفر امام کی غزلوں میں ڈکشن کا ایک ایسا انداز ملتا ہے جو کئی اہم شاعروں کے مطالعے کے بعد ہی اپنی وضع اختیار کر سکتا ہے۔ لفظ تو ہمیشہ ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن اُن کے برتاو میں نیرنگی کی صورت وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں اسے نئے آفاق سے ہم کنار کیا جاتا ہے۔ ذیل میں امام کے گیارہ شعر نقل کر رہا ہوں۔ یہ انتخاب نہیں ہے بلکہ جہاں کہیں نظر پڑ رہی ہے، اُسے نقل کر رہا ہوں :

شام ہوگی تو سورج گزرتا چلا جائے گا
آسماں کو لہو رنگ کرتا چلا جائے گا

بارشو! تم نے تو جل تھل کا سماں باندھ دیا
خشک ہونٹوں سے کوئی درد کہا جائے نہیں

چاہیں گے تو قدموں پر یہ دنیا بھی جھکے گی
ہم اپنے ہی ہاتھوں میں مقدر کی طرح ہیں

کیسے روگے کا سفر میں کوئی رستہ جب کہ
دل میں اک جوش بھی ہو، پانو میں رفتار بھی ہو

لفظوں کی دھوپ ہونٹ کے پیالے میں آ گئی
ہم نے بھی سائبان کا رکھا نہیں خیال

زور زبردستی سے سیڑھی چڑھ جائے
ایسی عزت الٹے پاؤں اُترتی ہے

آدمی مسافر ہے، زندگی کے رستے کا
اک قدم ہے رونے کا، اک قدم ہے ہنسنے کا

○

دوستوں کی آنکھوں میں دشمنی کے تیور ہیں
گھر میں رہنے والے سب لوگ جیسے بے گھر ہیں

روشنی کی چھوٹی سی ناو لے کے آیا ہوں
اور سامنے میرے رات کے سمندر ہیں

ہم نے جو بنائے تھے، اس پہ چل نہیں پائے
کیا کہیں کہ ہم اپنے راستے کا پتھر ہیں

میری بے گناہی کے بے کراں سمندر میں
محترم گناہوں کے بھی جہاز لنگر ہیں

آج بھی تراشیں کیوں پتھروں کے شہزادے
ظلم کے مخالف ہم تو جدید آزر ہیں

موسموں نے آشاؤں کی گھٹا سے کیا مانگا
ہر طرف نگاہوں میں بارشوں کے منظر ہیں

□

ہم گھر سے نکل جائیں تو پھر گھر نہ ملے گا
کیا سر پہ لٹکتا ہوا خنجر نہ ملے گا

اس شہر میں ہر چیز کا انداز جدا ہے
مقتل ہے، مگر قتل کا منظر نہ ملے گا

جذبات چھلک جائیں گے آنکھوں سے ہمیشہ
دل پیش کیے جانے کا تیور نہ ملے گا

میں ظلم تواتر سے کیے جاؤں گا لیکن
الزام تجھے کوئی مرے سر نہ ملے گا

تم کس کو سناؤ گے یہاں اپنی کہانی
اس شہر میں آنسو کوئی بے گھر نہ ملے گا

ہم روز تلاشوں پہ نکلتے ہیں گھروں کی
پر سوچتے رہتے ہیں کوئی گھر نہ ملے گا
❑

ہم نے اپنی زندگی کے واسطے سودا کیا
ان کو مولا اور اپنے آپ کو بندا کیا

میں اکیلا رہ کے اپنے آپ میں تھا انجمن
دوستوں کی بے تعلّق بھیڑ نے تنہا کیا

یاد کیوں آتی ہے تو مجھ کو، بول تنہائی مری
میں نے شب بھر کے لیے ہی تجھ سے تھا وعدا کیا

یہ نہیں ہوتیں تو مَن کی آنکھ سے ہی دیکھتا
مشکلوں میں ہوں کہ آنکھوں نے مجھے اندھا کیا

ہم نے بھی اندھی ڈگر پہ چل کے منزل کی طرف
گُم ہوئے رستوں کے اندر دوسرا رستا کیا

درد و غم کی داستانیں جھیل سکتا تھا مگر
آنسوؤں نے دستخط کر کے مجھے رسوا کیا

قافلے منزل پہ آکے پھر تلاشیں گے سفر
پھر انہیں مل جائے گا، اچھا بھلا سا کوئی گھر

نااُمیدی اپنے گھر کی موہ مایا چھوڑ دے
راستہ جینے کا ملتا جائے گا امّید بھر

اُس نے بھی چوکھٹ پہ رکھ دی ہے سعادت کی جبیں
اِس لیے میری دعا ہونے لگی ہے معتبر

پھر اُسی کی سمت چلنا ہے اُسی رفتار سے
دیکھنا ہے کب تلک ہوتا رہے گا یہ سفر

پھر ہماری قبر دل سے فاتحہ پڑھوائے گی
جتنی بار ان کی دعا ہوتی رہے گی بے اثر

تو بڑے نخرے دکھاتا ہے ضمیر! اب بھاو بول
چاہے جس قیمت پہ ہو، تجھ کو خریدے گا ظفرؔ

❑

O

بے چاری آنکھوں سے جو یہ آنسو گرتے رہتے ہیں
دکھ میں ساتھ نبھانے کے وعدے کرنے سے ڈرتے ہیں

جیون کے چہرے پہ کالے دھبّوں جیسی یہ خوشیاں
اور اُن پہ ہم ہیرے جیسے آنسو آنسو جڑتے ہیں

رستے پاؤ پڑیں گے ان کے، جو چلنے سے ڈر جائیں
ہاریں یا جگ جیتیں، ہم رستوں کی سیوا کرتے ہیں

موسم کی خواہش ہے، اپنے اندر کچھ تبدیل کریں
یہ بھی کیا؟ گھنگور گھٹا سے پھوس کے چھپّر لڑتے ہیں

ساحل کی لہریں رستہ روکیں گی آخر کار ظفؔر
دِن کشتی، پتوار بنا، ہم ساگر پار اُترتے ہیں

□

ہ

گناہ، رات کے پردے میں کر گزرتا ہے
مگر وہ صبح، نشہ در نشہ اترتا ہے

غریب لوگوں کی غربت ہے راج گدّی سی
اَنا وہ پیادہ ہے، جو شہہ کو مات کرتا ہے

مری زمین کبھی کربلا نہیں ہوگی
کہ اس کی گود میں اک آنسوؤں کا دریا ہے

جہاں غرور کا سورج بہت پریشاں تھا
نظر جھکائے وہیں اک چراغ جلتا ہے

اب اور مجھ کو جہنّم کا خوف کیا ہوگا
مرا وجود خود اپنی چِتا میں جلتا ہے

کہ تجربوں کی کتابیں پڑھیں گے ہم کیسے
نظر کا خوف، نظر سے کہاں نکلتا ہے

❑

○

دکھائی پڑتی ہے اک عالی شان گھر کی طرح
ہماری آج کی تہذیب ہے کھنڈر کی طرح

ہر اک قدم پہ ضرورت ستانے لگتی ہے
بغیر سمت کے چلتی ہوئی ڈگر کی طرح

شعور راستہ چلنے کا ہونا چاہیے تھا
سفر میں پانو چلے اور بے سفر کی طرح

سراغ ملنا بھی مشکل ہے زندگی تیرا
کسی کے ساتھ نہیں، پھر بھی ہم سفر کی طرح

اچھلتی کودتی لہروں میں کھو گئی دیوار
یقیں کے ساتھ کھڑی حرفِ معتبر کی طرح

بھنور کا زور بھی ٹوٹے گا شورِ طوفاں بھی
اُتر کے دیکھ لو دریا میں رہ گزر کی طرح
❑

○

مصروفیت کی آنکھ سے فرصت بھی دیکھیے
دوری بھی دیکھتے ہیں تو قربت بھی دیکھیے

پرواز کی للک میں سبھی پنکھ کٹ گئے
لیکن وہی اڑان کی ہمّت بھی دیکھیے

آسائشیں تمام نہ آسودہ ہو سکیں
اِس درجہ بھیڑ ہو تو ضرورت بھی دیکھیے

سب مشکلوں کے رستے اِسی اک سفر میں ہیں
اب کے سفر میں ان کی صعوبت بھی دیکھیے

جس اونگھتے چراغ کی لَو کاٹتے رہے
اِک دن اُسی چراغ کی شدّت بھی دیکھیے

❑

○

آگے نکل کے پیچھے کی جانب قدم چلے
سیدھے بھی ہم چلے، کبھی اُلٹے بھی ہم چلے

آئے تھے اپنی آنکھ میں دنیا سمیٹنے
سب آنکھ میں سمیٹ چکے، آنکھ نم چلے

جانے ہماری ذات میں کیسی کشش رہی
ہم جس پہ چل پڑے، اسی رستے پہ غم چلے

دنیا کی ایسی کون سی تہذیب ہم میں ہے
خود اپنے راستے پہ ہمی سب سے کم چلے

ہم بھی تو کشتیوں کے الٹنے کے خوف سے
دنیا تمہارے ساتھ، تمہارے قدم چلے

ممکن ہے کہ خدا کی حکومت میں خیر سے
کچھ دور، تھوڑی دیر سیاسی صنم چلے

دل کے تعلّقات کسی حال میں ظفرؔ
اپنے مخالفین سے بھی بیش و کم چلے
❑

اک مستقل لڑائی رہی زندگی کے ساتھ
وہ شخص اپنے آپ سے بھی پیار کیا کرے

میں اپنے آپ میں اک مسئلے سے کم تو نہیں
مری رگوں میں لہو ہے مرے اصولوں کا

جیون کا سنگیت اچانک اتم سُر کو چھو لیتا ہے
ہنستا ہی رہتا ہے پھر بھی میرے اندر مرنے والا

جانے والے کی آنکھوں سے اک اک بوند
مٹی چھونے کو بے زار ہوئی جاتی ہے

پہلے شعر میں زندگی کے عروج و زوال کا کیف پیش کیا گیا ہے لیکن ایسا بیان کہیں واضح نہیں۔ سورج جب غروب ہوتا ہے تو آسمان پر ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ روز کا مشاہدہ ہے۔ لیکن شاعر کے مشاہدے نے دراصل زندگی کی تعبیرات کو اور عروج و زوال کی صورتِ واقعہ کو نئے انداز سے پیش کرنا چاہا ہے۔ ممکن، کوئی اور جہت بھی ہو۔ دوسرے شعر کی ہے فن کاری از بسکہ نمایاں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف ذخیرۂ آب ہے تو دوسری طرف پیاس کی شدّت ہے اور دونوں میں بُعد قائم ہے۔ بارش سے اگر زمین جل تھل بھی ہو جائے تب بھی کچھ ہونٹ خشک رہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ایسی ارزانی بھی عام نہیں ہوتی۔ ایک عجیب تصوّر کو نئے اسلوب میں بڑے شاعرانہ تیور سے پیش کرنے کی صورت ابھاری گئی ہے۔ 'خشک ہونٹوں کا درد' وہی محسوس کر سکتا ہے جو اس مرحلے سے گزر رہا ہے یا جسے اس کا مشاہدہ رہا ہے۔

تیسرے شعر میں حوصلہ افزا بیان ہے اور یہ بیان کچھ سپاٹ سا بھی ہے لیکن اس سپاٹ پن میں بھی شعریت پیدا کرنے کی سبیل نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دراصل شاعر یہ سمجھتا

اپنے گھر میں تو مہاجر کی طرح ہم بھی ہیں
خون آلود مناظر کی طرح ہم بھی ہیں

موت کا درد اٹھاتے ہیں ہمیشہ کے لیے
زندگی، تجھ میں مسافر کی طرح ہم بھی ہیں

ہم کہاں مانگنے جائیں گے سہارا اُن سے
جنگ میں واحد حاضر کی طرح ہم بھی ہیں

زندگی، اپنی رمق چھوڑ کے دیکھو تو سہی
حکم بردار مجاور کی طرح ہم بھی ہیں

بے وفائی کے لیے جو بھی ضروری تھا ہنر
اس کے پوشیدہ عناصر کی طرح ہم بھی ہیں

مسجدوں میں تم اکیلی ہی نہیں جائے نماز
آج پھر سجدۂ آخر کی طرح ہم بھی ہیں
❑

○

اندھیرے میں بھی کوئی راستہ نکال ظفرؔ
زمیں اُجال چکے، آسماں اُجال ظفرؔ

ہزاروں درد ہوا لے کے اڑ گئی آخر
ہزاروں جذبے ہوئے آج پائمال ظفرؔ

کسی نے سوچ سمجھ کر ہمیں کہا ساحل
بھنور سمجھتا تھا اپنے لیے وبال ظفرؔ

ہمی نے جینے کا احساس خود میں رکھا تھا
ہمی سے کرنے لگی زندگی سوال ظفرؔ

لہو زبان سے ٹپکے یا آنکھ سے ٹپکے
لہو کا رنگ ہمیشہ رہے گا لال ظفرؔ

نہ مدّعی کو ہے شکوہ، نہ غم ہے مجرم کو
تباہیوں کی سمجھ میں نہ آئی چال ظفرؔ

ہمیشہ ہوتے ہیں گھائل ہمارے احساسات
ہمیشہ زخم اُٹھانا بھی ہے کمال ظفرؔ

❑

○

بے سبب آنسو ہماری آنکھ سے بہتے نہیں
اور بہتے ہیں تو دریاؤں سے کم رہتے نہیں

بے یقینی کی تڑپ بیٹھی ہوئی تھی رات بھر
ہم بھی دروازے سے باہر رات بھر نکلے نہیں

چاندنی سے ہم نے رشتہ واجبی سا ہے رکھا
دھوپ کے احساس میں چہرے کہیں جُھلسے نہیں

پھر افق پر اک نیا سورج اُگا لینے کے بعد
مات کھا جائیں، مگر ہم بیٹھنے والے نہیں

صبح کی بے چینیاں مطلع پہ روشن ہو گئیں
خوف سورج کو بھی تھا، موسم کہیں بدلے نہیں

چمچماتی روشنی، تازہ ہوا کی خواہشیں
تم بھی دنیا کو ظفر اچھی طرح سمجھے نہیں

❑

O

کسی گناہ کا چہرا دکھا رہا ہوگا
دل آئینہ ہے تو پھر آئینے میں کیا ہوگا

فریب دل کو دیا جائے، یا کہ چہرے کو
ہر ایک حال میں دل کو ہی ٹوٹنا ہوگا

نئی غزل ہے تو احساس بھی ہو تازہ دَم
پرانے لفظوں کے کپڑے بدل کے کیا ہوگا

ضمیر اپنا بچائے رکھو تو اچّھا ہے
وہ دَور آئے گا جب خود پہ سوچنا ہوگا

سحر بھی دینے لگی آخری پہر دستک
اندھیرو! تم سے کہاں تک مقابلہ ہوگا

کہاں کُرید رہے ہو بدن کی راکھ ظفؔر
ضمیر زندہ نہیں ہوگا، مر گیا ہوگا
□

○

امید کی دہلیز پہ موسم کا نظارا
آنکھوں کو جہنّم بھی نظر آئے گا پیارا

اِس بار گھٹاؤں میں ہیں کچھ ایسے عناصر
اِس بار نہ رُک پائے گا سیلاب کا دھارا

دنیا مجھے کچھ اور سلیقے سے سمجھ لے
موقع نہ ملے تیرے سمجھنے کا دوبارا

جیون کے سہارے پہ جیا جائے کہاں تک
یہ بوجھ اگر اس نے بھی کاندھے سے اتارا

سر سبز خیالات کی وادی سے نکلیے
اِس راہ پہ چلنا نہیں آسان ہمارا

ٹھہری ہوئی سانسوں کو نہ کہیے گا کبھی موت
رُک رُک کے چلے جیسے کوئی وقت کا مارا

آنکھوں میں اُڑانوں کا نشہ لازمی شَے ہے
ورنہ کہیں ملتا نہیں ہمّت کا سہارا

❑

وہ مصلحت کے کھلونوں سے پیار کرتا ہے
قسم خدا کی مگر ٹوٹنے سے ڈرتا ہے

اُداسیوں کا سبب ہم سے پوچھنے والے
وہی عذاب تمہارا بدن بھی سہتا ہے

نظر سے دیکھو تو دھندلی ہیں ساری تصویریں
دلوں سے دیکھو تو سب کچھ دکھائی دیتا ہے

شجاعتوں کے قدم رُک سکیں، کہاں ممکن
وہ کیا چلے گا جو اوّل سفر میں تھکتا ہے

گناہ گار کی گٹھری نہ کھولیے صاحب
ہمارا دل تو اِسی میں سکوں سے رہتا ہے

تم اعتبار کرو اپنے دست و بازو کا
بہشت سے بھی نوالہ کہاں اترتا ہے

❑

O

دنیا کی آنکھوں میں دھیرے دھیرے خاموشی ہوتی
ہم سب نے جینے کی اس سے پہلے عرضی دی ہوتی

اپناپن کا تھوڑا بھی احساس اگر ہوتا اس کو
رشتے ناتوں کے بگڑے موسم میں بھی گرمی ہوتی

دیواروں کے پار چمکتے منظر تھے عریانی کے
دیکھ نہیں پاتیں آنکھیں، یہ رات اتنی کالی ہوتی

سچائی کے ظاہر ہوجانے میں دیر ہوئی، ورنہ
میری بے شرمی کے تن پہ بھی کالی وردی ہوتی

آنکھوں کے در بند کیے، گُم سوچوں میں رہنے والے
تیرے لیے تو ہر موسم میں بے خوابی اچھی ہوتی

شہہ زوری ناامیدی کی شامل تھی اس میں، ورنہ
یہ آندھی کیوں تخت و تاج ہلا دینے والی ہوتی

❑

اک ندی میں سیکڑوں دریا کی طغیانی ملی
ڈوبنے والے کو مر جانے کی آسانی ملی

حاشیہ بردار سے پوچھا سمندر نے، میاں
آج تک اک موج بھی تم کو نہ دیوانی ملی؟

سرپھری، پاگل ہوا کو روکنا دشوار تھا
ایک ہی دن کے لیے تھی اس کو سلطانی ملی

تشنہ لب تالاب نے، بادل کو پھر دھوکا دیا
پھر وہی صحرا، وہی صحرا کی ویرانی ملی

ہر سفر سے کشتیوں کا لَوٹنا ممکن نہیں
کیا پتہ کب لہر کوئی دشمنِ جانی ملی

آگے پیچھے سب کو مقتل سے گزرنا ہے ظفرؔ
کیوں سمجھتے ہیں کہ ہم کو ہی پریشانی ملی

ہے کہ مقدر انسان کی گرفت میں ہے، چاہے تو وہ خوار ہو جائے، چاہے وہ عظمتوں کی منزلیں سر کر لے۔ اس خیال کو دوسرے شاعروں نے بھی اپنایا ہے لیکن اکثر انداز نثری ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عمومی خیال نئی شعریت میں ڈھل جائیں، اس کے لیے مشاق قسم کی فن کاری مطلوب ہے۔ یہ مصرع شاید سبھوں کو یاد رہے کہ ''ہم اپنے ہی ہاتھوں میں مقدر کی طرح ہیں'' اس لیے کہ مقدرات دراصل اپنی سعیِ پیہم سے بدلتے رہتے ہیں۔ اقبال نے اس موضوع پر کئی شعر کہے ہیں۔ اسی طرح سے رجائی کیف چوتھے شعر میں بھی در آیا ہے لیکن انداز نہایت والہانہ اور شاعرانہ ہے۔ کوئی لفظ دوراز کار نہیں۔ لفظوں کے انتخاب میں کوئی محنت نہیں۔ لیکن سامنے کے الفاظ جدلیاتی بن گئے ہیں اور زندگی کی شادمانی اور کامیابی کی صورت بھی۔ عجیب قسم کا چیلنج ہے۔

کیسے رو گے کا سفر میں کوئی رستا جب کہ
دل میں اک جوش بھی ہو، پانو میں رفتار بھی ہو

'پانو میں رفتار ہونا' ایک ایسی ترکیب ہے جو شاید اردو شاعری میں پہلی بار استعمال ہوئی ہے۔ پانچواں شعر اپنے لب و لہجے کے اعتبار سے بالکل نیا ہے اور فن کی انتہائی بلندیوں پر نظر آتا ہے۔ اس شعر میں لفظوں کی دھوپ، ہونٹ کے پیالے اور سائبان کو ایک دوسرے سے مدغم کیا گیا ہے۔ لفظوں کی دھوپ کیا ہوتی ہے اور ہونٹوں کے پیالے سے کیا مراد ہے اور سائبان کا خیال نہ رکھنا کون سے خیال کی دلیل ہے۔ دراصل یہ شعر اپنے جہات کے اعتبار سے ایک طرف بڑی نرگسیت رکھتا ہے تو دوسری طرف جرأت کے ایک ایسے منظر نامے کو پیش کرتا ہے جس میں جنس کی لپک بھی صاف نظر آتی ہے۔ لیکن کہیں بھی رکاکت پیدا نہیں ہوتی۔ زندہ شعر ہے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔

چھٹا شعر دراصل ایک 'موٹو' کی طرح ہے۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنی کامیابیوں کے لیے فطری انداز اختیار نہیں کرتے اور ان کا انداز اور تیور ہمیشہ جارحانہ ہوتا ہے۔ وہ وقتی طور پر کامیاب تو ہو جاتے ہیں لیکن جلد ہی ان کی کامیابی بے معنی ثابت ہوتی ہے

مصلحت کی ڈور ہاتھوں سے اگر چھوٹے نہیں
پھر تو ممکن ہے کہ دنیا بھی کبھی روٹھے نہیں

خود کو پانے کے لیے اپنی طرف جو چل پڑے
سچ یہی ہے کہ سفر سے وہ کبھی لَوٹے نہیں

وہ تو اپنے ہیں اگر کچھ بدسلوکی ہی کریں
اے خدا، میرے ناخدا، اک ناو بھی ڈوبے نہیں

دشمنی کا ہم بھی چاہیں تو اُگا سکتے ہیں پیڑ
اس کا پھل چکھنا پڑے گا اس لیے بوتے نہیں

تم بھی جانے کس طرح کی چیز ہو، سمجھے گا کون
اک طرف سچّے نہیں اور اک طرف جھوٹے نہیں

راستو! ٹھہرو، ابھی ہم آ رہے ہیں لَوٹ کر
پانو تھکنے سے ہمارے حوصلے ٹوٹے نہیں
❑

وقت کے بہتے ہوئے دریا میں ٹھہرا آدمی
ہم سمجھتے تھے کہ دریا سے ہے گہرا آدمی

بے بدن، بے روح، بے دل، بے یقیں اور بے ضمیر
آج بھی باقی ہے لیکن صرف چہرا آدمی

موسمِ شاداب کا پرتَو ہر اک چہرے میں ہے
اور ہر چہرے میں پوشیدہ ہے صحرا آدمی

اس زمیں پر بھی خریدی جائے گی من چاہی چیز
خواہشوں کی بھیڑ میں ہوتا ہے سودا آدمی

ساری امیدوں کا مرکز، ساری ناامیدیاں
ساری آوازیں اُسی کی اور بہرا آدمی

بے حسی کے دور میں احساس کی قیمت کہاں
سب محرّم کی طرح لیکن دسہرا آدمی

مجھ کو اس جیون سے کتنی دوری ہے
لیکن زندہ رہنا بھی مجبوری ہے

کیسے چھوڑیں مفت کی چیز نہیں ہے یہ
موت ہمارے جیون کی مزدوری ہے

ڈرنے والے کے دن بھی اندھیارے ہیں
ہمّت ہے تو کالی رات بھی نوری ہے

موت مرے دروازے پر دستک دے کر
کہتی ہے کہ چلنا بہت ضروری ہے

THIS EBOOK IS DOWNLOADED FROM
SHAAHISHAYARI.COM

LARGEST COLLECTION OF URDU
SHERS, GHAZALS, NAZMS AND EBOOKS.

کام اُسی پر نئے سِرے سے کرتا ہوں
پُرکھوں نے چھوڑی جو بات اَدھوری ہے

لفظوں کا انکار سمجھتے ہیں لیکن
ہونٹوں پر بھی دل کی مُہر ضروری ہے

کیسے چھوڑیں ظفؔر میاں اپنی عادت
سجدا کرنا بندے کی مجبوری ہے
❑

○

رات بھر نزدیکیاں اور دن کو دوری ہوگئی
دردِ دل اتنا بڑھا امید پوری ہوگئی

بھیک میں مجھ کو ملی ہے قبر کی دوگز زمیں
اب تو مجھ کو زندگی جینا ضروری ہوگئی

شام ہوتے ہی مجھے فٹ پاتھ کا بستر ملا
اے خدا، بس آج کی میری مجوری ہوگئی

میں پتنگوں کی طرح اُڑتا رہا آکاش پر
اتفاقاً تو نہیں دھرتی سے دوری ہوگئی

جن کی تھی پہچان اردو سے، انھی کے گھر میں آج
ملنے جلنے کی زباں بھی بھوج پوری ہوگئی

روز گھنٹوں بیٹھ کر سنتے سناتے تھے ظفرؔ
دردِ دل سے آج کل کیوں اتنی دوری ہوگئی
□

○

تری دعائیں ٹھٹھرتی ہیں سردیوں کی طرح
وطن فروش سپاہی کی وردیوں کی طرح

ہر اک قدم پہ یہ تبدیلیوں کی سوغاتیں
ہمارے عہد کے چہرے ہیں قافیوں کی طرح

دِلوں پہ درد کا احساس اِس قدر ہے میاں
خوشی کے گیت بھی ہوتے ہیں مرثیوں کی طرح

کُھلے ہوئے ہیں سبھی زندگی کے دروازے
گزرتے رہتے ہیں ہم لوگ سائلوں کی طرح

تہی پہ آکے مکمل ہوئیں ہیں تہذیبیں
تو سر بھی ہوتا فضیلت کی پگڑیوں کی طرح

اُپھان میں ہو سمندر، سفر بھی ہو لازم
بھنور کو سوچنا پڑتا ہے ساحلوں کی طرح

ہر ایک چیز ظفرؔ مشکلوں سے ملتی ہے
عذاب ملتے ہیں دن مانگے موتیوں کی طرح
❑

○

لفظوں کو گھائل کر دیتے ہیں جذبات
شعروں کی تب ہونے لگتی ہے برسات

صحرا کی پیاسی آنکھیں بھی چاہیں تو
بن موسم کے جیون بھر ہوگی برسات

خالی ہاتھوں کے اٹھنے پر ہو بارش
ہوتے میرے سجدوں کے جذبے سادات

خوش رہنے کا یہ موسم بھی دشمن ہے
پچھلے موسم کی وہ نازیبا حرکات

چہرے پہ چمکیلی دھوپ کی نقاشی
سورج کے اندر بھی ہے کالی سی رات

بے وارث سی اپنے جیون کی نیّا
ساگر کی لہروں جیسے ہیں محسوسات
□

○

چراغوں کی طرح بجھتے ہوئے ہر شام جلتے ہیں
اندھیری رات میں امیّد کے ٹکڑوں پہ پلتے ہیں

اندھیروں کا گزارا اب یہاں ممکن نہیں ہوگا
کہ روزانہ اِسی گھر سے نئے سورج نکلتے ہیں

بھلے ہی لَوٹ کے ہم گھر پہ خالی ہاتھ آجائیں
مگر مجبوریاں سر پر لیے گھر سے نکلتے ہیں

یہ دنیا ہے، کسی بھی چیز پر اتنا بھروسہ کیا
یہاں ہر روز سو سورج نکلتے اور ڈھلتے ہیں

سفر بے سمتیوں کا بھی شروع ہوگا اِسی گھر سے
یہاں سب کارنامے ساتھ اپنے لے کے چلتے ہیں

ہمیں پہچان کر بھی ڈھونڈنا بے کار ہے کیوں کہ
ہمارے شہر میں موسم نہیں، چہرے بدلتے ہیں
□